

أَوْلِيَاءِ تَحْتَ بِيَمَانِي رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالْأَوْلِيَاءِ رُءُوسِهِمْ

# أَوْلِيَاءِ مِلَّةَانِ

بشیر حسین نظام ایم۔ اے

سنگ و میل پبلشرز

چوک اڈو بازار — لاہور



DATA ENTERED

۲۹۷,۹۹۲۳

ک ۲۳ و

۱۹۶۲

نیاز احمد	:	طابع
کیمریج پریس لاہور	:	مطبع
سنگ میل پبلی کیشنز چوک اردو بازار - لاہور	:	مقام اشاعت
طارق خلیق لاہور	:	کتابت

قیمت

۶۱ روپے



# فہرس

۷	عرض نامہ
۱۰	پیش لفظ
۱۲	شیخ الاسلام حضرت بہا الدین زکریا سہروردی ملتان
۲۹	حضرت شیخ صد الدین عارف
۳۷	شیخ رکن الدین ابوالفتح
۵۳	شیخ المشائخ حضرت صد الدین محمد حاجی
۶۰	شمس تبریزی سبزیاری
۶۵	حضرت شاہ گردیزی ملتان
۶۸	حضرت مخدوم شہر اللہ
۷۲	حضرت دیوان چاولی مشائخ
۷۲	تاج العارفین حضرت شاہ ابوبکر وراق
۷۷	حضرت سید علی سرور
۷۸	حضرت شاہ ارجن شیرنجاری
۷۹	حضرت شیخ احمد معشوق
۸۲	شیخ خالد بن ولید
۸۳	حضرت خواجہ حسن افغان



۸۶

بی بی راستی رحمۃ اللہ علیہا

۸۷

حضرت سرور شکرٹ

۸۸

حضرت پیر عمر نہرودی

۸۹

شاہ دانا شجیت

۹۰

خواجہ اویس کھوکھو

۹۱

حضرت عبدالرشید حقانی

۹۲

حضرت سلطان ایوب قاتل

۹۳

حضرت شاہ حسین آگاہی

۹۴

حضرت پیر دربر شاہ

۹۵

شیخ حسین گاہر

۹۶

حضرت شاہ علی محمد

۹۷

حضرت سید موسیٰ پاک شہید

۱۰۰

حضرت سلطان احمد قاتل

۱۰۲

حضرت حبیب شاہ

۱۰۳

پیر جیون شاہ سلطان

۱۰۴

پیر بھان

۱۰۵

سخی شاہ حبیب

۱۰۵

نواب سید موسیٰ پاک دین

۱۰۷

میاں عبدالحکیم

۱۰۹

حافظ محمد جمال ملتان

۱۱۲

منشی غلام شہید



۱۱۳

۱۱۵

۱۱۶

حضرت زید عظیم الدین شاہ

حضرت خواجہ محمد موسیٰ پاک مدنی

حضرت مولانا شاہ علی مردان



# انتاب

بعد غلوں و احترام ترجمان حقیقت حکیم الامت حضرت  
علامہ اقبالؒ کے فرزند ارجمند مسٹر جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال مدظلہ  
کے نام

نیاز آگئی

بشیر حسین ظہیر، ایم۔ اے

## عرضِ مباشر

اولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی زندگیوں کا قلم ناپید اکنار اور بحرِ زخار  
ہیں جن میں ہر ارادت کیش یا غیر ارادت کیش نحو آھی کر کے گوہر ہائی مراد حاصل  
کر سکتا ہے۔ چونکہ مردانِ خدا کی زیست کا ایک ایک لمحہ استرضائے حق اور حصول  
خوشنودی رسولِ برحق کے لئے وقف ہوتا ہے۔ اس لئے ان کے قلوب انوارِ الہی  
اور تجلیاتِ رسول سے مستنیر و منور ہو جاتے ہیں اور ان کے قلوب میں جلالی و  
جمالی رنگ پیدا ہو جاتا ہے اور وہ کبھی تو اللہ کی برہان نظر آتے ہیں اور  
کبھی خلوص، ایثار، قربانی اور خدمتِ خلق کا پیکر گراں نظر آتے ہیں۔  
ان نفوسِ قدسیہ کی زندگیوں کے مطالعہ سے ہمیں ایسے حیاتِ بخش اسباق و  
نصائح ملتے ہیں جو نہ صرف ہمارے لئے مشعلِ راہ اور مینارِ نور کی حیثیت رکھتے ہیں  
بلکہ آئندہ نسلوں کے لئے بھی رشد و ہدٰی کا درجہ رکھتے ہیں۔ اُمتِ محمدیہ علی صہا  
الصلوٰۃ والسلام میں صرف اولیاء اللہ رحمہم اللہ کی ہی ایک جماعت ہے جس نے  
لاکھوں انسانوں کے دلِ موعظت و حکمت کے نور سے فیضان کرے۔



حضرات کو خداوند قدوس نے "الْآيَاتِ أَوْلِيَاءَ اللَّهُ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ  
وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ" کے ذیشان الفاظ سے خطاب کیا اور حضور صدر الایمان  
رسالت، بعد افلاک نبوت، رازدار سر وحدت، صاحب تاج شفاعت، نور  
ایمان، نور ایقان، نور رحمان، دانائے سبیل، مولائے کل، ختم رسل علی اللہ علیہ وسلم  
نے "أَوْلِيَاءِ تَحْتَ قَبَائِي" فرما کر اس جماعت مقدسہ کو اپنے دامن کرم میں  
پناہ دی۔

جس جماعت کو بلرگاہ ربانی سے یہ سرٹیفکیٹ عطا ہوا ہو اور بازگاہ  
رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں پناہ ملی ہو اس کی عظمت و رفعت اور سطوت و  
صولت کا معمولی انسان کیا اندازہ کر سکتا ہے۔

زیر نظر کتاب میں ان اولیائے عظام کا ذکر جمیل ہے جنہوں نے اپنے  
وجود مسعود سے اپنے نیک کردار سے، دلکش گفتار سے، علم و فضل، تورع و تدین  
اور زہد و اتقا سے سر زمین ملتان کو مسعود و مبروک کیا اور دولت عرفان ایقان  
سے اہل ملتان کے دل معمور کر دیئے۔ ان میں سے بیشتر اسی خاک پاک میں آسودہ  
ہیں۔ صرف چند ایک ایسے ہیں جنہوں نے ابتداء میں ملتان میں ہی قیام فرمایا  
اور عمر کا بیشتر حصہ یہیں گزارنے کے بعد آخری ایام ملتان کے مصانعات میں  
گنارے بلکہ جان شیریں بھی جان آفرین و جہان آفرین کے حوالے شہر ملتان  
سے باہر ہی کی اور بیرون ملتان مختلف مقامات پر مدفون ہوئے چونکہ ان کا  
تعلق ابتداء سے ملتان ہی سے رہا ہے اس لئے انہیں بھی اولیائے ملتان میں  
شمار کیا گیا ہے۔ زیر نظر کتاب سے قارئین کو انشا اللہ روحانی صیانت کا نشان  
مہیا ہوگا۔ قارئین انہیں بیک وقت اخلاص و ایثار کا پیکر، عظیم عظمت و جلالت  
کا نشان، علم و فضل اور راشد و ہدیٰ کا سرچشمہ و صدق و صفا کا گنج گراں پائیں گے



وہ دیکھیں گے کہ ان اولیاء اللہ سے کوئی تو تصویر اتلاقی مصطفوی رہے۔ کوئی  
 کشتہ تیغِ محبت نبوی ہے کسی کا دل دولت سوز و گداز سے معمور ہے کسی کا  
 سینہ تجلی گاہ کوہِ طور ہے۔ غرضیکہ ہر مردِ خدا کئی کمالات و صفات کا حامل نظر  
 آئے گا۔

لہم دعا کرتے ہیں کہ کتاب میں جو گلہائے عقیدت پیش کئے گئے ہیں۔  
 ان کی خوشبو سے قارئین کے مشامِ جان معطر ہوں۔

نیاز احمد



## پیش لفظ

بزرگانِ دین کے حالات و مقامات لکھنا بہت بڑی دینی خدمت ہے۔ حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ عند ذکر الصالحین یبذل الرحمتی ( نیک لوگوں کا ذکر کرنے سے خدا تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے ) اس لئے اللہ والوں کے احوال و عبادات اخلاق و عادات فضائل و کمالات اور خوارق و کرامات کا تذکرہ لکھنا حق تعالیٰ کی نزولِ رحمت کا باعث ہے اور یہ سراسر ذکرِ الہی کے مترادف ہے۔ اس سے مالکانِ طریقت کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور ریاضت و مجاہدات پر ان کا دل جمعیت پکڑتا ہے اور اوامرِ الہی بجالانے اور منہیات سے اجتناب کرنے پر ان کی ہمت بڑھتی ہے۔ اللہ عزوجل نے قرآن مجید میں پیغمبروں کے احوال بیان کئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ارشاد فرمایا : كَذَلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ ( یہ اس لئے کیا ہے کہ اس کے ساتھ تمہارے دل کو قائم کر دیں یعنی تم کو استقامت حاصل ہو ) ہر ایک شہر و ملک میں اہل اللہ کے افراد وقتاً فوقتاً دینِ حق کی تبلیغ میں نمایاں خدمات انجام دیتے رہے ان



کے کارناموں کو منظر عام پر لانا۔ دین اسلام کی ترویج کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے  
 کوئی زمانہ ان متبرک ہستیوں سے خالی نہیں گذرا۔ دیار پنجاب میں شہر ملتان  
 اولیاء اللہ کے مرکز کی حیثیت رکھتا ہے۔ بڑے بڑے اکابر صاحبان ولایت اور  
 جلیل القدر مشائخ اس بابرکت بستی میں ہوتے چلے آئے ہیں۔ ان کی سیرت  
 کردار کو محفوظ رکھنا۔ بڑے فوائد کا موجب ہے۔ زیر نظر کتاب "اولیائے ملتان"  
 اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ جو جناب بشیر حسین صاحب ناظم ایم اے کے قلم کا  
 شاہکار ہے۔ انہوں نے بڑی جستجو اور محنت سے ملتان شریف کے اولیاء اللہ کا  
 اس میں تذکرہ کیا ہے۔ اگرچہ اس سے پہلے بھی کئی اہل قلم حضرات نے اس موضوع  
 پر خامہ فرسائی کی ہے۔ مگر جناب ناظم صاحب کی تحقیق اور چھان بین کارنگ  
 انوکھا ہے۔ جا بجا حواشی دے کر مضامین کی وضاحت کر دی ہے۔ جس سے کتاب  
 کی انا دیت میں خاصہ اضافہ ہو گیا ہے۔ اگرچہ ملتان کے صوفیہ و مشائخ پر ابھی بہت کچھ لکھا  
 جاسکتا ہے مگر ناظم صاحب نے بموجب خیر الکلام ماقول و دل اختصار پسندی  
 سے کام لیا ہے اور چند اکابر کے تذکرہ پر بھی اکتفا کیا ہے جو ناظرین کی ہدایت و  
 رشد کیلئے کافی ہے۔ حق تعالیٰ اس کتاب کو مقبول عام فرمائے اور مولف کو  
 اس محنت اور خدمت دینی کا اجر عطا فرمائے۔ آمین

سید شرافت نوشاہی عفی اللہ عنہ

۲۱ مارچ ۱۹۶۱ء



# حضرت شیخ الاسلام بھاء الدین زکریا سہروردی ملتان

پرسی اگر از جہاں کیست امام انام  
نشروی از آسمان جز زکریا جواب  
(مخبر الدین ابراہیم عراقی)

دوران  
امام انام شیخ الاسلام غوث العالمین حضرت بھاء الدین زکریا  
سہروردی ملتان کے اجداد عظام کا تعلق قریش کے معزز و مکرم  
قبیلہ سے تھا۔ اسی نسبت سے آپ کو القریش الاسدی کہتے ہیں۔ شیخ عین الدین بجا پوری

۱۔ شیخ الاسلام کا عہدہ اس نوعی کیلئے تھا کہ مقتدات کی آخری ایسیوں کیلئے جوشش ہو اور حکومت کے تمام مختلف  
مکملوں پر عام نگرانی کی جائے۔ خلیفہ عبدالملک رضی اللہ عنہما نے اس عہدہ کو قائم کیا خود بطور شیخ الاسلام کام  
کرتا تھا۔ اگرچہ بیشتر مقتدات قاضی ابو اور میں کو رہے یا کرتا تھا۔ دور آخر میں شیخ الاسلام کو خلیفہ مقرر کرتا  
تھا۔ عباسی خلیفہ المقدر کے عہد حکومت میں خلیفہ کی اپنی والدہ شیخ الاسلام کے عہدہ پر متمکن تھی۔  
اور ہر جگہ کے مدوز اپنے گرد علماء قضاة مشائخ عظام اور اکابر امراد کی مجلس منعقد کر کے اپیلیں سنا  
کرتی تھی۔ بلحاظ ایک امر کے قاضی القضاة اور شیخ الاسلام میں فرق ہے اور وہ یہ کہ مؤخر الذکر  
اول الذکر کی طرح شریعت کے ہر لفظی مفہوم کا پابند نہیں اس کے فیصلے قدرتی اور فطری عدل و انصاف  
کے عام پیکوں پر مبنی ہوتے ہیں۔ یوں کہ شیخ الاسلام خلیفہ کے فیصلے کا محافظ و معین ہے (باقی اگلے صفحہ)



آپ کے حسب و نسب کا یوں تذکرہ کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام بہاؤ الدین زکریا از اولاد بہار بن اسود بن مطلب بن اسد بن عبدالعزیز بن اقطی است۔ وہ بہار اسلام آوردہ بُرد۔ برادران او دمعہ و عمر و عقیل بحالت کفر و جنگ بدر لقیل رسیدند و سودہؓ کہ در زبان پنجمبر بُرد و ختر و معہ بُرد یعنی حضرت بہا مال دین زکریا بہار بن اسود بن مطلب بن اسد بن عبدالعزیز بن اقطی کی اولاد سے ہیں اور بہار مشرف بہ اسلام ہوئے اور ان کے بھائی دمعہ، عمر اور عقیل جنگ بدر میں مقتول ہوئے اور سودہؓ جو حضور علیہ السلام کے زمانہ میں تھیں دمعہ کی بیٹی تھیں۔

حضرت شیخ کے جدِ امجد جن کا نام عام تذکروں میں کمال الدین شاہ قریشی مرقوم ہے۔ مکہ معظمہ سے نقل مکانی کر کے خوارزم میں سکونت پذیر ہوئے اور بعد ازاں وہاں سے ملتان آکر اقامت گزریں ہو گئے۔ اسی "مدینۃ الاولیاء" میں ان کے نورِ نظر مولانا وجیہ الدین محمد متولد ہوئے۔ ان کی شادی مولانا حسام الدین ترمذی کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴ سے آگے) عدالت کے وقت اس کی مدد کو قضاة و فقہار کا ایک مجلس بیٹھتی ہے جس کا فرض ہوتا ہے کہ شیخ الاسلام کے فیصلے سناتے سے قبل اس کے فیصلے کے ہر پہلو پر بالتفصیل توضیح جرح و بحث کرے۔ اس عہدہ کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کی ان چند یادگاروں میں ایک تھی جہے نارمنوں نے گیارہویں صدی میں سسلی پر قابض ہونے کے بعد اپنی حکومت کے دوران میں بھی قائم رکھی (مقالہ بت اقبال)۔

۲ ہرورد چشت کی طرح عراق عجم میں ہمدان و زنجان کے درمیان ایک مقام کا نام ہے۔ بانی سلسلہ ہروردی حضرت شیخ عبدالقادر شہاب الدین ابو حفص عمرؒ اسی جگہ کے رہنے والے تھے۔ ان کی ولادت ۵۴۲ھ اور وفات ۶۳۲ھ میں ہوئی۔ عوارف المعارف، کشف التنصیح الایمانیہ اور بیعت الابرار ان کی اشرہ ترین تصانیف ہیں جو اہل ذوق و شوق کی روحانی فیاضیت کا سامان بہم پہنچاتی ہیں۔



صاحبزادی سے ہوئی۔ انہی ایام میں نواح ملتان تانازیوں کے حملوں کی آماجگاہ تھا۔ لیکن قلعہ کوٹ کو ڈرے محفوظ اور مصون مقام تھا۔ مولانا حسام الدین ترمذی یہیں مقیم ہو گئے اور اسی مقام پر شیخ بہاء الدین زکریا کی ولادت ہوئی۔

ڈاکٹر مولوی محمد شفیع مرحوم سابق استاذ ادبیات تازی و رئیس دانشگاہ شرقیہ دانش گاہ پنجاب لاہور نے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ نسب اپنے مقالہ "الشیخ الکبیر بہاء الدین زکریا" میں دریں الفاظ لکھا ہے: "ابو محمد زکریا بن وجیہ الدین محمد بن کمال الدین شاہ علی قریشی بن سلطان حسین بن سلطان عبدالقدیر بن حسین بن سلطان مطرف بن سلطان خزیمہ بن امیر ہاشم بن امیر تاج الدین بن امیر عبدالرحیم بن عبدالرحمان بن مبارک بن اسد بن ہاشم بن عبدالمنان"

شجرہ طریقت اس ترتیب میں ہے۔ شیخ بہاء الدین زکریا شیخ شہاب الدین سہروردی شیخ ضیاء الدین ابونجیب سہروردی شیخ وجیہ الدین سہروردی شیخ عبداللہ شیخ اسود احمد دینوری "DINAWARI" شیخ ممتاز علی دینوری، خواجہ جنید بنداوی، خواجہ سرسقطی، خواجہ معروف کرنی، خواجہ داؤد طائی، خواجہ حبیب عجمی، حضرت امام حسن، حضرت علی کریم اللہ وجہ الکریم، فخر عالم و عالمیان، قبلہ عرشیاں و کعبہ فرشیاں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم،

بارہ سال کی عمر میں والد محترم و ازالبقا کی طرف چلے گئے۔ ان کی رحلت کے بعد آپ نے کلام مجید حفظ کرنا شروع کیا۔ ساتوں قراتوں کے ساتھ قرآن کریم حفظ کر لیا تو حلیہ تعلیم سے آراستہ ہونے کے لئے خراسان تشریف لے گئے۔

آپ رمضان المبارک کے چہینہ میں پیدا ہوئے۔ سال ولادت ۵۶۶ھ ہے بعض تذکروں میں سال ولادت ۵۶۵ھ تحریر شدہ ہے لیکن اخبار سہروردیہ اور تاریخ فرشتہ (محمد قاسم) میں ۵۶۸ھ مرقوم ہے۔ (واللہ اعلم)



بخارا جو ان دنوں علوم و فنون کا گہوارہ تھا اور اسلامی ثقافت کا مرکز تھا۔ میں پہنچ کر علوم قرآن حدیث فقہ اور تفسیر کی تحصیل کی۔ بعد ازاں بہت سے بزرگان دین سے فیوض روحانیہ اور باطنیہ کا اکتساب کیا۔ یہاں کے عوام میں آپ بہاء الدین فرشتہ کے نام سے مشہور تھے۔ تقریباً آٹھ سال تک یہاں رہے اور پھر زیارت حرمین الشریفین کا شوق دامن گیر ہوا۔ مناسک حج ادا کرنے کے بعد روضہ مظہرہ کی زیارت سے مشرف ہوئے اور تقریباً پانچ سال تک اس جنتِ ارضی یعنی جوارِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں زندگی بسر کی۔ اور تذکیہ نفس و تصفیہ باطن کے لئے ریاضت و مجاہدہ کرتے رہے حضور کے فیوض لامتناہی سے مالا مال ہو کر بیت المقدس پہنچے یہاں سے مزارات انبیاء کی زیارت سے فارغ ہو کر عروسی ایلات بغداد تشریف لے گئے یہاں شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین ابو حفص مگر سہروردی قدس سرہ علم و عرفان کی دولتِ لازوال سے سالکانِ جاوہ حق کے دامن بھر رہے تھے۔ حضرت شیخ ان کے حلقہ ارادت میں شامل ہوئے اور بہت جلد فرقہٴ خلافت پایا۔

فرقہٴ خلافت عطا کرنے کے بعد شیخ الشیوخ سہروردی نے آپ کو مرخص فرمایا اور سلطان

حضرت خواجہ خواجگان نظام الدین والملت نظام الدین اولیاء زری زربفت کے ارشاد کے مطابق آپ صرف چند روز یعنی سترہ دن تک اپنے ہادی و مرشد کی صحبت میں رہے اور ان کو حضورِ غوثِ پاک کی طرف سے تمام روحانی نعمتیں عطا ہوئیں۔ اور فرقہٴ خلافت سے بھی نوازے گئے حضرت شیخ سہروردی کے دوسروں ارادت کیشوں کے دلوں میں آپ کے بہت جلد فرقہٴ خلافت سے مشرف ہونے سے رشک پیدا ہو گیا تھا۔ اس لئے وہ گاہے بگاہے اپنی جذبات اور محردی خلافت کا شکوہ کرنے لگے۔ حضرت شیخ سہروردی نے فرمایا۔ تمہاری مثال تر بکڑیوں کی سی ہے جنہیں آگ مشکل سے یا بدیر لگتی ہے۔ لیکن بہاء الدین خشک لکڑی کی طرح تھے جن میں آگ جلد اثر کر گئی۔

پہیم صوفیہ



میں مقیم ہو کر خلقِ خدا کو فیضِ سانی کی تلقین فرمائی۔ ملتان پہنچے تو اہل ملتان نے آتشِ رشک میں جل کر آپ کی خدمت میں پانی سے برنیر پیالہ بھیج دیا۔ جس سے مراد یہ تھی کہ یہ شہر ان کی آمد سے پہلے ہی صاحبانِ کشف و کرامات سے پُر ہے۔ اس میں مزید کسی کے لئے گنجائش نہیں۔ حضرت شیخ ان کے رمز و کما یہ کو سمجھ گئے اور آپ نے پیالہ کی سطح پر ایک چول رکھ کر واپس کر دیا۔ اس سے مراد یہ تھی کہ ان کا قیام اس شہر میں اس طرح ہوگا جس طرح سطحِ آبِ پیالہ پر چول۔ اکابرین شہر آپ کے اس رموزِ جواب سے متحیر ہو کر آپ کے منقاد و مطیع ہو گئے۔ ملتان کی مدتِ قیام میں نہ صرف ملتان بلکہ تمام برصغیر پاک و ہند حضرت بہار الحق زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے انوار و تجلیاتِ باطنیہ سے منور ہوا۔ اور آپ لوگوں اور صوفیاء میں "خیر الاعصار" مشہور ہو گئے۔ سلسلہ الذہب کے مؤلف شیخ محمد نور بخش لکھتے ہیں:

حضرت بہار الحق زکریا ملتان قدس سرہ العزیز ہندوستان میں رئیس الاولیاء تھے۔ علوم ظاہری و باطنی کے عالم اور مکاشفات و مشاہدات کے مقامات و احوال میں کامل تھے۔ ان سے اکثر اولیاء اللہ کے سلاسلِ منشعب ہوئے۔ لوگوں کو رشد و ہدایت فرمائی اور ان کو کفر و طغیان سے ایمان کی طرف، عصیان و معصیت سے اطاعت گزاری کی طرف اور نفسانیت سے روحانیت کی طرف لائے اور ان کی شانِ نہایت ارفع و اعلیٰ تھی۔

آپ کے فیضِ رشد و ہدایت سے امیر و غریب، شاہ و گدا اور خواص و عوام مستفیض تھے۔ آپ کسی خاص جماعت یا طبقہ کو تلقین نہیں فرماتے تھے جب آپ لوگوں کو راہِ حق کی تلقین کر رہے تھے تو ان دنوں ناصر الدین قباچہ حاکم ملتان تھا۔ جو سلطان شمس الدین التمش کا حریف بھی تھا۔ چونکہ سلطان شمس الدین التمش اپنے تئیں پاسداریِ شریعت اور زہد و تقویٰ کے لحاظ سے اولیاء اللہ میں شمار ہوتا تھا۔ اس لئے شیخ عالم کار حجان قلی اسی طرف تھا۔ قباچہ نے التمش کی شان و شوکت اور



سطوت و قوت کا اندازہ کر کے اس کے خلاف معاندانہ سازشوں کا ایک جال پھیلا دیا۔ لیکن عثمان کے قاضی مولانا شرف الدین اصفہانی جو ایک بے نظیر بے عدیل عالم دین تھے اور شیخ بہاء الدین زکریا نے قباچہ کے اس فعل قبیح سے اتفاق نہ کیا اور التمس کو مطلع کرنے کے لئے دونوں حضرات نے پُر خلوص خطوط لکھے۔ مگر شوئے قسمت یہ خطوط قباچہ کے گماشتوں کے ہاتھ لگ گئے۔

قباچہ بیت برہم ہوا اور قاضی صاحب کو حضرت شیخ کی معیت میں دربار میں طلب کیا۔ جب یہ دونوں حضرات تشریف لے گئے تو قباچہ نے حضرت بہاء الدین زکریا کو اپنی دائیں طرف بٹھایا اور قاضی صاحب کو اپنے سامنے بیٹھے کا حکم دیا۔ پھر دونوں بزرگوں کو ان کے ارسال کردہ خطوط دکھائے۔ قاضی صاحب پڑھ کر منفعل و مادم ہوئے اور گردن نیچی کر لی لیکن حضرت بہاء الدین زکریا نے فرمایا "اے قباچہ! بیشک یہ خط میرا ہی تحریر شدہ ہے اور میں نے اسے حکم الہی سے تحریر کر کے ارسال کیا تھا۔ یہ سن کر ناصر الدین قباچہ لرزہ بر اندام ہو گیا اور بصد انکساری و تضرع حضرت سے اس گستاخی و بیباکی کی معافی مانگی اور حضرت کو نہایت عزت و اجلال سے خصمت کیا۔ لیکن قاضی شریعت الدین اصفہانی اس کے غیظ و غضب سے محفوظ نہ رہ سکے اور وہیں شہید کر دیئے گئے۔

آپ اپنے تبحر علم اور اکمالِ فضل کے باعث شیخ الاسلام مقرر ہوئے۔ آپ کے شیخ الاسلام مقرر ہونے کا حال مختصراً بیان کیا جاتا ہے۔ کہتے ہیں جب آپ سکا، دوست شیخ جلال الدین تبریزی وارد دہلی ہوئے تو ان کے آنے کی خبر سن کر شیخ الاسلام نجم الدین صغریٰ کی آتشِ حسد بھڑک اٹھی۔ شیخ الاسلام نجم الدین صغریٰ نے انہیں

نجم الدین نام کے دو بزرگ ہوئے ہیں۔ ایک بغداد میں اور دوسرے ہندوستان میں۔ حضرت نجم الدین عراقی بغدادی کو ان کے علم و فضل زہد و تقویٰ اور روحانی مدارج و مراتب کے باعث کبریٰ کہا جاتا تھا۔ ہندوستان کے نجم الدین کو صغریٰ کہا جاتا تھا۔ یہ بھی علم و فضل میں بے مثال تھے اور شیخ الاسلام تھے۔



بادشاہ اسلام التمش کی نظروں میں ذلیل و رسوا کرنے کے لئے مختلف حربے استعمال کئے اور شیخ تبریزی کو افتراء و اتہام کا نشانہ بنایا۔ چنانچہ ایک مغینہ کے توسط سے ان پر زنا کا بہتان لگایا۔ اس پر سلطان نے ایک محضر کا حکم دیا۔ جس میں تمام تبریزیوں کو ہند کے مشاہیر علماء و مشائخ کو دعوت دی گئی۔ نجم الدین صغریٰ نے شیخ الاسلام کی حیثیت سے حضرت بہاء الدین زکریا کو ثالث مقرر کیا۔ مقدمہ کی سماعت کے دوران میں یہ ثابت ہو گیا کہ اتہام زنا میں خود شیخ الاسلام نجم الدین صغریٰ کا لائق تھا۔ اور الزام زنا ثابت نہ ہوا تو شیخ الاسلام نجم الدین صغریٰ سخت شرمندہ و جمل ہوئے یہاں تک کہ غش کھا کر زمین پر گر پڑے۔ بادشاہ نے اس بہتان و افتراء کی پاداش میں نجم الدین صغریٰ کو اس عہدہ جلیلہ سے معزول کر کے حضرت بہاء الدین زکریا کو منصوب کر دیا۔ اسی عہدہ جلیلہ پر آپ کے خاندان کے مختلف افراد فائز رہے۔

آپ مہر و وفا، جود و سخا، محبت و مودت کے بحر ناپید اکنار تھے۔ انہیں خصائل حمیدہ کی وجہ سے حضرت بابا مسعود فرید الدین گنج شکر آپ سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے۔ ایک موقع پر حضرت شیخ نے کسی بات پر معذرت کرتے ہوئے بابا صاحب کو لکھا: "میان ما و شما عشق است بازی نیست"

اسرار الاولیاء میں حضرت بابا صاحب سے مروی ہے کہ ایک روز میں اور برادریم بہاء الدین زکریا ایک مقام پر بیٹھے سلوک کی باتوں میں محو تھے کہ اچانک آپ کھڑے ہو گئے اور آہ و بکا شروع کر دی اور پھر انا لله وانا الیہ راجعون پڑے۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا فرمایا کہ اٹھ کر دیکھو! میں نے دیکھا کہ حضرت سعد الدین حمویہ کا جنازہ

۱۔ سعد الدین حمویہ آپ کا اہم گرامی محمد بن المودین بن ابی بکر بن ابوالحسن حمویہ ہے۔ آپ شیخ نجم الدین کبریٰ کے اجاب میں سے تھے۔ امام یاقینی اپنی تاریخ میں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں (باقی اگلے صفحہ پر)



مسجد کے سامنے پڑھ رہے تھے۔ بعد ازاں معلوم ہوا کہ حضرت سعد الدین حمویہ کی روح اسی روز قفسِ محضری سے پرواز کر گئی۔

آپ کو شوقِ سماع نہ تھا لیکن اتباعِ مرشد میں شرابِ سماع کے چند جرے پی لیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک قوال ملتان میں آیا اور ان کی خدمت میں بسا اوقات حاضر ہوتا رہتا ہوں۔ شیخ نے فرمایا اچھا بھئی! جب پیرو مرشد نے سماع کو مستحسن سمجھا ہے تو پھر نہیں بھی ضرور سنوں گا۔ چنانچہ آپ عشا کی نماز پڑھ کر تلاوت میں مشغول ہوئے۔ تلاوت کے بعد آپ ایک حجرے میں تشریف فرما ہوئے اور بعد اللہ قوال سے کچھ منے کے لئے فرمایا۔ اس نے مندرجہ تویلی بیت کی تکرار شروع کر دی۔

مستان کہ منے ناب خوردند از پہلوی خود کباب خوردند

یہ سن کر آپ پر کیفیت طاری ہو گئی اور کسی گھنٹے تک شکلیف رہے۔ صبح ہوئی تو قوال کو ایک خلعتِ فاخرہ اور بہت سا انعام و اکرام دے کر رخصت کیا۔ آپ کو اکثر مولانا فخر الدین ابراہیم عراقی کے پرسوز اشارے سے کیفیت پیدا ہو جاتی تھی۔ چنانچہ ایک رات آپ عراقی کے کمرے کے پاس سے گزرے تو اسے اپنی مندرجہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸ سے آگے کہ آپ صاحبِ احوال و ریاضت تھے۔ آپ کے ارادت کیشوں کا صلہ

نہایت وسیع تھا۔ علوم ظاہری و باطنی میں یگانہ روزگار تھے۔ کثیر التصانیف بزرگ تھے۔ آپ کی تصانیف رموز و کنایات اور وقایق و غمبھن سے بھر پور ہیں۔ بقول مولانا محمد نور الدین عبد الرحمن جامی ان کی ادق اور مغلق عبارات کا عقل و فکر احاطہ نہیں کر سکتی۔ ان کا ادراک تبھی ہو سکتا ہے جب انسان ان کو پچشمِ بصیرت دیکھے۔ آپ کچھ عرصہ قاسیون میں مقیم رہے پھر وہاں سے خراسان آئے اور وہیں انتقال فرمایا۔



ذیل نزل لگاتے ہوئے سنتا :

نختیں بادہ کاندرا جام کردند  
چوں باخود یافتند اہل طرب را  
لب میگون جاناں جام ورد او  
سز لطف تباں آرام نہ گرفت  
بجلس نیک و بد را جانی داوند  
چوں گوئی حسن در میداں فگندند  
ز بہر نقل مستان از لب و چشم  
ازاں لب کا بروئی خجہ دلہاست  
ولے را تا بدست آرند ہر دم  
بغمزہ صد سخن گفتند با جان  
نہاں با محرے رازے بگفتند  
بعالم ہر کجا در دو سخن بود  
چوں خود کردند راز خویشتن فاش

ز چشم مست ساقی وام کردند  
شراب بے خودی در جام کردند  
شراب عاشقانیش نام کردند  
ز بس دلہا کہ بے آرام کردند  
بجائے کار خاص و عام کردند  
بیک جولاں دو عالم رام کردند  
مہیا شکر دنیا وام کردند  
نصیب بیدلاں دشنام کردند  
سز ز لبتین خود را وام کردند  
بدل زابرو دو صد پینام کردند  
جہانے را از اں اعلام کردند  
بہم کردند و عشقش نام کردند  
عراقی را حیرا بدنام کردند

نزل کا مقطع سنتے ہی حضرت بہاء الدین زکریا کی حالت دگرگوں ہو گئی اور بہت دیر تک آپ پر وجد و کیفیت طاری رہا۔ یوں بھی اکثر وادی استغراق

پروفیسر ای جی برلین نے یہ واقعہ ایک گونہ اختلاف سے لکھا ہے وہ لکھتے ہیں کہ خیر حضرت  
فخر الدین ابوسعید عراقی حضرت شیخ کے ارادت کیشوں میں شامل ہوئے تو آپ نے انہیں مراقبہ کی  
تلقین فرمائی لیکن عراقی اس ارشاد پر عمل پیرا ہونے کی بجائے مثل شعر و شاعری میں منہمک  
(باقی اگلے صفحہ پر)



کی سیر کرتے رہتے اور اسی حالت پر مہینوں اکل و شرب کی پروا نہ رہتی۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں کہ ایک بار آپ عالم استغراق و تجرہ میں اس درجہ کھو گئے کہ ایک ہفتہ تک طعام و کلام تک نہ فرمایا۔ ساتویں روز آپ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے جو در شہوار کی شکل اختیار کر جانے۔ متوسلین نے انہیں جمع کیا۔ امانت کے بعد حضرت سے کیفیت پوچھی تو فرمایا کہ میں حق تعالیٰ کے انوار و تجلیات کے بحر بیکراں میں غواہی کر رہا تھا اور اسی اوقات بابرکات کے جمال و کمال سے میری آنکھیں نم آلود تھیں۔ اس لئے جو آنسو نکلتا تھا وہ در شہوار کی شکل اختیار کر جاتا تھا۔

عبادت و ریاضت میں کلام اللہ کو سب اوراد پر ترجیح دیتے تھے اور اس کی تلاوت سے بڑا شغف رکھتے تھے۔ ایک دن آپ حلقہ مریداں میں تشریف فرما تھے۔ فرمایا تم میں سے کوئی شخص ایسا ہے جو رکعت میں پورا کلام پاک ختم کرے؟ خفقار اور حاضرین میں سے کسی کی ہمت نہ پڑی۔ چنانچہ آپ اٹھے اور رکعت کی نیت کر کے پہلی رکعت میں سارا قرآن مجید ختم کر دیا۔ بلکہ چار پارے مزید تلاوت فرمائے اور دوسری رکعت میں سورہ اخلاص پڑھی۔ بسا اوقات یہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے جو کچھ اہل در و محنت سے حاصل کیا ہے۔ عملی شکل میں خلق خدا کے سامنے پیش کر دیا ہے اور یہ سب رب العزت کا فضل و کرم ہے۔

(بقیہ ماثیہ صفحہ ۲۰ سے آگے) رہنے لگے۔ چند پیر بھائیوں نے حضرت شیخ کی خدمت میں عراقی کی شکایت کی کہ وہ آپ کے ارشاد کی چنداں پروا رکھے ہوئے ہر وقت عشقیہ اشعار گنگنا رہتا ہے۔ حضرت شیخ نے انہیں بلا بھیجا اور پھر چند اشعار سنانے کے لئے حکم دیا۔ عراقی نے بڑے سوز و گداز سے اپنی غزل سنائی جسے سن کر شیخ بہاد الدین زکریا بیخود ہو گئے۔ ہوش میں آنے کے بعد حضرت نے عراقی کو فرقہ خلافت عطا فرمایا اور اپنی دختر نیک اختر کا عقد بھی ان سے کر دیا۔



میں نے جس کام کو سرانجام دینے کا ارادہ کیا وہ بفضلہ پایہ تکمیل کو پہنچا

مورخین نے آپ کے وصال کے شہور و سنین اور دن بہ اختلاف  
لکھے ہیں۔ راحت القلوب میں سن وفات ۶۵۱ھ مگر تذکرہ علماء

## وصال

ہند میں ۶۶۱ھ ہے۔ مرآة الاسرار میں ۶۶۵ھ اور سفینة الاولیاء میں ۶۶۶ھ مرقوم  
ہے۔ سوائے محمد قاسم فرشتہ کے یوم وصال پر سب اتفاق کرتے ہیں یعنی ۷ صفر ۶۶۶ھ

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء قدس سرہ فرماتے ہیں کہ وصال کے دن

آپ یاد حق میں مشغول تھے کہ حجر کے باہر ایک نورانی چہرہ والے بزرگ نمودار

ہوئے۔ جنہوں نے آپ کے صاحبزادہ حضرت صدر الدین عارف کے ہاتھ میں ایک

سرمہر خط دے دیا۔ حضرت صدر الدین عارف خط کے عجیب و غریب عنوان اور

ماہیات کو پڑھ کر بہت متعجب ہوئے۔ وہ خط کو حضرت شیخ کی خدمت میں پیش

کر کے باہر آئے تو وہ بزرگ غائب ہو چکے تھے خط کو پڑھتے ہی حضرت شیخ کی روح

ملاذ علی کے نورانی جھولوں میں جھولنے لگی اور حجر سے آواز آئی۔ وَصَلَ الْحَبِیْبُ

إِلَى الْحَبِیْبِ دوست بدوست رسید۔ آپ کے صاحبزادے حضرت شیخ صدر الدین

عارف یہ آواز سن کر دیوانگی کے عالم میں حجرے کی طرف دوڑے اور دیکھا کہ آواز

حقیقت بن چکی تھی۔

ملفوظات حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر میں ہے کہ جس وقت حضرت

شیخ بہاء الحق والدین زکریا ملتانی کا وصال ہوا تو باوا صاحب کو غش آگیا اور بہت

دیر تک بیہوشی کے عالم میں پڑے رہے جب ہوش آیا تو فرمایا "میرے بھائی

یہاں الدین زکریا کو اس فنا کے بیان سے بقا کے شہرستان میں لے گئے اور پھر اٹھ کر



مریدوں کی معیت میں نمازِ غائبانہ ادا کی۔ آپ کا مزار پر انوارِ ملتان شریف میں ہے۔  
جو مرجح خواص و عوام ہے۔

وفاتِ حسرتِ آیات پر حضرت شیخ فخر الدین عراقی نے جو آپ کے خلفاء میں سے  
تھے اور آپ کے داماد بھی تھے ایک پُرورد مرثیہ لکھا جو بہت طویل ہے۔ مرثیہ کی  
اطالت کو پیش نظر رکھ کر صرف چند اشعار نقل کئے جاتے ہیں۔

کارم از دست رفت دست از کار دیدہ بے نور ماند دل بے یار  
یار غلام ز دست رفت در یخ ماندم افسوس پائی بروم بار  
روشنائی دیدہ رفت افسوس متم امروز دیدہ خون بار  
سوختم ز آتش جدائی او مرہم نیست جز عنم و تیمار

دل از من بسی خراب تر است

فاطم از جگر کباب تر است

یر تو انوار حق مستر باد سخن او در تو ہر دم اظہر باد  
بہ سجلی ذاتِ طلعت تو چوں دولت لخطہ لخطہ انوار باد  
در نسیم راین الفت است جان روحانیاں معطر باد  
ہفت فرزند تو کم اوتا و اند ہر بچی نخوتِ ہفت کشور باد  
قطب شاں صدر صفحہ ملکوت کہ مقاشش ز عرش برتر باد  
بر سر کوئی ہر بچی گردوں ! چوں عراقی کسینہ چاکر باد

اپنی سادہ اور پاکیزہ زندگی میں آپ نے اپنے مختلف متوسلین

اور مریدین کو بہت سی پند آموز اور حقیقت افروز وصیتیں فرمائی

جو آپ کی صوفیانہ تعلیمات کی منظر ہیں۔ ان دھیایا اور خطوط میں سے چند اقتباسات درج



ناظرین کئے جاتے ہیں

بندہ پر واجب ہے کہ وہ بندگی پروردگار میں صدق و اخلاص کو اپنا شعار بنائے۔ ماسوا اللہ کے تصور کو مسائے اور عبادت و اذکار میں غیر اللہ کی نفی کرے۔ ایسا کرنے میں بندہ کو لازم ہے کہ وہ اپنے اسوال کو درست کرے اور اپنے اقوال و افعال میں محاسبہ نفس کرے۔ گفتگو سے حتی الامکان احتراز کرے۔ ضرورت کے سوا کوئی بات نہ کرے۔

دل زہر گھٹن بیرو در بدن      گر چہ گفتارش بود در عدن

(فرید الدین عطار)

ہر کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے سے پہلے استعانت پروردگار اور استمداد گمراہی سے اور اسی سے توفیق عمل کا طالب ہونا چاہیے۔

اپنے ایک مرید کو ایک خط کے ذریعے ہدایت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کو ہرز جان بناو کیونکہ صرف اللہ تعالیٰ کے ذکر ہی سے اطمینان قلب نصیب ہوتا ہے اور محبت اپنے محبوب تک رسائی حاصل کرتا ہے۔ محبت ایک ایسی آگ ہے جو دل کی تمام آلائشوں کو جلا دیتی ہے اور جب راسخ و استوار ہو جاتی ہے تو مذکورہ کے شاہدے کے ساتھ ذکر فی الواقعی ذکر ہوتا ہے۔ ایسی ذکر کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے بفرمائی "وَاذْكُرُوا لِلَّهِ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ" فلاح دارین کا وعدہ فرمایا ہے۔

پھر فرماتے ہیں۔ مرید کو چاہیے کہ اپنے روزگار کی حفاظت کرے۔ ماسوا اللہ کو حرم دل میں نہ آنے دے۔ اہل دنیا کی صحبت سے گریز کرے۔ بلکہ ان سے میل و ملاقات حرام سمجھے۔ ہر وقت یاد حق میں مستغرق رہے۔ کیونکہ جس شخص کو ذکر حق سے موافقت نہ ہوگی وہ محبت الہی کی بوی بھی نہ سونگھ سکے گا۔ آپ اپنے ہر مرید اور



متوکل کو اس بات کی تلقین فرماتے کہ بدن کی سلامتی کم خوری میں ہے۔ روح کی سلامتی ترک معصیت میں ہے اور دین کی سلامتی سید عالم و عالمان رحمت کون مکان جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے درود بھیجنے میں ہے۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ تہجد کی کم از کم رکعتیں چار ہونی چاہئیں اور زیادہ سے زیادہ جتنی کوئی پڑھ سکے۔ بندہ کو چاہیے کہ ہر

## مناجات

دو رکعت کے بعد تمہوڑا سا آرام کرے اور چند بار تسبیح و تہلیل و استغفار اور صلوة و سلام پڑھنے کے بعد یہ مناجات نخلوں سے بحضور دل پڑھے۔

بادشاہ! بنظرِ رضا و رحمت بمانگر! خداوند! ظاہر و باطن مارا در طلب  
رضائے خود جمع دار! تفرقہ و پریشانی و سرگردانی از راہ ما و از راہ مسلماناں بدور  
دار! عفو و عافیت را قرین وقت ما کن! عنایت و رعایت را سابق و قائد ما گرداں!  
مارا بدست تفرقہ ما باز مدہ! مارا ببا باز گذار! مارا بر ما مگھار! مارا از شر ما نگاہدار!  
کارنا و کاراں ہمہ مسلماناں و رعافیت و در رضائی خود با صلاح آر! کردہ مارا در  
گذارد آئندہ مارا نگاہدار! ہرچہ بہ بندہ بخششی دینی بخش بار رضائی خویش قرینی بخش  
مارا بقہر خویش مخدول مکن! مارا بدوں خود مشغول مکن! مارا از خود معزول مگرداں!  
اگر پرسی حجتی ندارم و اگر بسوزی طاقت نیارم از بندہ خطا و ذلت است و

از تو ہمہ عطاء و رحمت! اے قدیم لم یزل و اے عزیز بے بدل

اللَّهُمَّ أَصْلِحْنَا وَاصْلِحْ فِئَتَنَا إِلَى الْآخِرَةِ

رہروانِ جادۂ طریقت کو آپ یوں نصیحت فرماتے ہیں :-

طریقت کے پرچار راستہ پر گامزن ہونے سے پہلے یہ لازم ہے کہ طالبِ حظوظ  
نفسانیہ خواہشات دنیوی کو ترک کر دے۔ جب انسان دنیا کے اشغال میں مہمک رہتا  
رہتا ہے تو اسے اپنے مقصد میں کامیابی نہیں ہوتی۔ انسان کی زندگی کا مقصد ہی عبادت



الہی ہے۔ عبودیت اللہ تعالیٰ کے پھیدوں میں سے ایک پھید ہے اور وہ پھید درجہ تقرب ہے۔ انسان کی تخلیق مصلحت کیلئے ہوئی۔ لیکن چونکہ درمیان میں ایک پرہ ہے۔ اس سبب سے وہ اللہ تعالیٰ تک نہیں پہنچ سکتا۔ انسان کے بدن کا ایک ایک عضو شہوت و خواہش کا گھر ہے۔ اور یہی چیز حجاب کا اصلی سبب ہے۔ چنانچہ آنکھ کی شہوت دیکھنے میں، کان کی سننے میں، ناک کی سونگھنے میں، حلق و کام کی ذوق اشیا میں، زبان کی بولنے میں، بدن کی خواب و استراحت میں اور دل کی شہوت اندیشہ مانی گونا گوں میں مضمر ہے۔

انسان میں اصل چیز دل ہے۔ جب دل اصلاح پذیر ہو جاتا ہے تو تمام بدن کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ دل بھی موت و حیات سے دو چار ہوتا ہے اور اس کی اپنی جداگانہ زندگی و موت ہے جو دل لذت و شہوات اور ماکولات مشروبات کے شکنجے میں پھنس جاتا ہے وہ غفلت، تساہل اور تکاسل کا مسکن بن جاتا ہے اور اس پر دساس شیطان کا علیہ اور استیلاء ہو جاتا ہے اور اس میں اندیشہ مانی گونا گوں و خیل ہو جاتے ہیں۔ بخیر اللہ کا خیال دل کو تیرہ و تار کر دیتا ہے۔ جب دل پر تیرگی و سیاہی مستولی ہو جائے تو اس کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ اس کی مثال بعینہ زمین شور کی سی ہو جاتی ہے۔ جو بیج متبول نہیں کرتی تو لوگ اُسے زمین مردہ کہہ کر پکارتے ہیں۔ لیکن جب تعلق دنیوی دل سے زائل ہو جائے اور خواہشات نفسانیہ سے خالی ہو جائے اور بندہ ذکر و تلاوت میں ہمہ تن مصروف ہو جائے تو اس کا دل نور ذکر سے زندہ اور مستیز ہو جاتا ہے۔ لہذا اصل کام صلاحیت دل ہے صلاحیت دل اس وقت تک ممکن نہیں جب تک انسان اپنے باطن کو تمام ذمائم و خباثت سے پاک نہ کرے۔ زاویہ دل کو غش و غل نبض و ریاء حرص و آرز، کبر و نخوت، حقد و حسد سے منزا رکھے اور ایسا کرنے میں انسان کو اپنے



قول و فعل میں مطابقت پیدا کرنی چاہیے۔ ظاہر و باطن کو طغیان و عصیان اور اثم و  
بزه کاری سے محفوظ رکھے۔ صنائر اور کباڑ سے گریز کرے اور مزید کامل کی نشانی  
یہ ہے کہ کم از کم بیس سال تک بائیں ہاتھ کا فرشتہ اس کے نامہ اعمال میں ایک بڑی  
بھی نہ لکھے۔

ایک جگہ لکھتے ہیں "خلوت اختیار کرنے کیلئے دس چیزوں کا موجود ہونا لازم و  
لابدی ہے جو مندرجہ ذیل ہیں۔

- ۱۔ علم: جس سے انسان حق و باطل میں تمیز کر سکے اور اسے صحیح خلوت نصیب ہو
- ۲۔ اسباب دنیوی میں زہد یعنی دنیا سے بے رغبتی اختیار کرنی چاہیے۔
- ۳۔ ہر کام میں نظر عقبتی کی جانب رکھنی چاہیے۔
- ۴۔ خلوت محض سلامتی طبع کی خاطر اختیار کرنی چاہیے۔
- ۵۔ شدت و محنت کسی راحت و نعمت کے پیش نظر اختیار نہ کرے۔
- ۶۔ اپنے آپ کو جمیع خلق سے کمتر و احقر خیال کرنا چاہیے۔
- ۷۔ گل میں سستی اور دابھنت نہ کرنی چاہیے کیونکہ فراغت بمنزلہ بلا ہے
- ۸۔ اپنی حالت پر تکبر نہ کرنا چاہیے۔
- ۹۔ خانہ دل کو شام و ماتم سے خالی رکھنا چاہیے۔
- ۱۰۔ ہر اس چیز سے قطع تعلق لازمی ہے جو یاد حق میں مانع ہو۔

خلوت نصیب ہو تو اللہ تعالیٰ کی بخششوں اور نعمتوں کو یاد کرے اور  
آفرینش زمین و آسمان جنت و جہنم میں تفکر کرے۔ خلق میں تفکر کرے  
اللہ تعالیٰ کے بارے میں کبھی تفکر نہ کرے۔ اسے اپنا کارساز، کارکشاز و رازق  
خالق اور مالک سمجھے۔

جب اللہ تعالیٰ سے تعلق بددیت مضبوط و مستحکم ہو جاتا ہے تو پھر انسان



کا نفس شمس و قمر کی مانند درختوں و نمایاں ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ بندہ اس  
 حدیث قدسی کا مصداق بن جاتا ہے کہ جب میرا بندہ نغلی عبادت سے میرا  
 تقرب حاصل کر لیتا ہے تو میں اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے  
 میں اس کی زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے۔ میں اس کے کان بن جاتا  
 ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے  
 میں اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ جب اُسے یہ مقام یہ تقرب  
 یہ اعزاز و اکرام حاصل ہو جاتے ہیں تو پھر مقصود حقیقی حاصل ہو جاتا ہے اور یہی دنیا و  
 آخرت میں انسان کے لئے فوزِ عظیم ہے۔



# حضرت شیخ صد الدین عارف

آفتاب آمد و دلیل آفتاب گرو لیلیت باید ازوے و مینا

حضرت شیخ صد الدین عارف اپنے والد حضرت شیخ بہار الدین زکریا ملتانی کا عکس جمیل تھے۔ آپ اپنے پدر محترم کی رحلت کے بعد مسند خلافت پر فائز ہوئے علوم ظاہری و باطنی کا اکتساب اپنے والد سے ہی کیا۔ ان کے فیضانِ نظر نے شیخ عارف کو اکیس بنا دیا تھا اور آپ انہیں تعلیم و تربیت کے اثر سے اپنے زمانہ میں سر حلقہ اویار تسلیم کئے جاتے تھے۔ چنانچہ محمد قاسم فرشتہ آپ کے روحانی اوصاف و کمالات کا بزبان مولانا جامی یوں اقرار کرتے ہیں۔

آن گہر معدن حق ایستین	تازہ ز آب کر مش باغین
دلجوہ ز پاکہ بسا تک صلہ	خرقہ وحدت بحسلا و ملا
لجہ مواج دل پاک ہو	عقل فردماندہ در اوراک او
صدر نشین گشت بعرض بریں	گشتہ خطایش از خدا صدین



علاوہ ازیں آپ کے والد بزرگوار کے ایک متخلص مرید جن کا نام امیر حسینی تھا اور آپ کے فضل و کمال سے کئی طور پر آگاہ تھے۔ آپ کے روحانی مراتب و مدارج کا اقرار ان اشعار سے کرتے ہیں نہ

سرور دین افتخار صدر گاہ	آن بلند آوازہ عالم پناہ
نہ فلک از سخاں خودش در طبق	صدر دین و دولت آل مقبول حق
چوں خصم علم لدنی حاصلش	آب حیواں قطرہ بجز دلش
ہم بیان او گواہ حال او	معتبر چوں قول او افعال او
دولت گشت توئی خیر الامام	مقتدائے دین قبول خاص و عام
ہم بہ کسب و ہم بمیراث آن او	سلک معنی جملہ در فرمان او

آپ خاص و عام میں عارف کے لقب سے مشہور تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب آپ

## عارف کی وجہ تسمیہ

تلاوتِ قرآن حکیم میں مشغول ہوتے تو آپ پر طرح طرح کے مطالب و معانی اور توجہ نو اسرار و رموز معرفت عیاں ہوتے اور آپ کا دل انوار و تجلیات ربانی کا ہیبت و مرکز بن جاتا تھا۔ بدین باعث آپ کا لقب عارف مشہور ہو گیا۔ محمد تقی فرشتہ اس لقب کی تائید ان سطور سے کرتے ہیں۔

ویرا عارف ازاں گویند کہ ہر بار ختم کلام اللہ کروے اسند فکر بیشتر  
راندے و وقتیکہ تلاوت مشغول بودے اورا فوج فوج معانی رونوڈے۔  
یعنی آپ کو عارف اس لئے کہتے ہیں کہ آپ ہر بار ختم کلام پاک کرتے۔ راہوار فکر  
کو خوب دوڑاتے اور جس وقت تلاوت میں منہمک ہوتے تو مطالب و معانی قرآن  
آپ پر فوج در فوج عیاں ہوتے۔

جب آپ مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو آپ کے حصے جدی و راحت



سے تقریباً سات لاکھ روپے آئے۔ طبیعت میں حد درجہ کا استغناء تھا۔ زر و مال دنیا کی چنناں پروا نہ تھی۔ ساری کی ساری دولت فقرا و مساکین میں تقسیم کر دی اور اپنے پاس ایک ٹنکہ بھی نہ رکھا۔ کسی ارادت مند نے عرض کی حضور آپ نے زر کثیر آن واحد میں تقسیم کر دیا حالانکہ آپ کے والد محترم دولتِ خطیر کے باوجود تھوڑا تھوڑا صرف کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا "میاں بابا! دنیا پر غالب و مستولی تھے۔ اس لئے مال و زرا نہیں کوئی گزند نہ پہنچاتے تھے۔ لیکن میں ابھی اس درجہ کا حامل نہیں ہوں۔ مجھے اندیشہ لاحق ہو گیا ہے کہ مبادا میں دنیا کے مال و زر کے فریب میں آ جاؤں اس لئے میں نے تمام دولت کو لٹا دیا ہے تاکہ کسی قسم کا کھٹکا نہ رہ جائے

اس سخاوت و فیاضی کے باوجود حضرت عارفؒ کے ہاں دولت کی کثرت و فراوانی رہتی تھی۔ کہتے ہیں ایک دفعہ حضرت شیخ رکن الدین فردوسیؒ جو حضرت شیخ شرف الدین امیری کے دادا پیر تھے وہلی سے ملتان تشریف لائے۔ تو شیخ صدر الدین عارفؒ سے اشتیاق ملاقات پیدا ہوا۔ جب آپ شیخ عارفؒ کے ہاں پہنچے تو ان کے ہاں علماء و مفترا کو ایک بڑی تعداد میں موجود پایا۔ کھانے کا وقت آیا تو مادہ پر ماکولات متنوعہ موجود پائے۔ شیخ رکن الدین روزہ سے تھے۔ شیخ عارفؒ کے پہلو میں بیٹھ کر تبرکاً کھانے میں شریک ہو گئے اور دل ہی دل میں خیال کیا کہ صرف روزہ چھوڑنے پر ہی اکتفا کروں یا مزید کھاؤں۔ شیخ عارف نے اپنے علم لدنی سے ان کی ذہنی کشمکش کا احساس کر کے فرمایا

کسی چیز کے کما حقہ جانتے کا نام علم ہے۔ حیات جس طرح ذات کے اقرب اوصاف میں سے ہے اس طرح علم بھی حیات کے اقرب اوصاف میں سے ہے۔ ہر زندہ کسی نہ کسی (باقی اگلے صفحہ پر)



جس شخص سے ممکن ہو کہ حرارت باطن سے طعام کو تحلیل کر کے نورانی بنا دے اُسے قلتِ طعام و خوراک کی پابندی لازم نہیں۔ آپ بہانوں کی از حد درجہ تعظیم و تکریم کرتے۔ اس خوف سے کہ کوئی بھوکا نہ رہ جائے۔ دسترخوان سے اپنا ہاتھ نہ روکنے

اللہ کے نیک بندے ہمیشہ کرامات  
حق عادات سے گھبراتے ہیں لیکن پھر

## آپ کی ایک کرامت

بھی ان سے ایسی عادات کا ظہور ہو جاتا ہے جو بظاہر خلاف عقل معلوم ہوتی ہیں حضرت شیخ عارفؒ سے اکثر ایسی کرامات کا ظہور ہوا۔ فرشتہ نے اپنی تاریخ میں ان کی کرامات سے ایک کرامت بیان کی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ تاتاریوں کی یلغار کو روکنے کے لئے سلطان نغیاث الدین بلبن نے اپنے صاحبزادہ محمد خاں شہید کو ملتان بھیجا۔ اس کے ساتھ اس کی بیوی بھی تھی جو سلطان رکن الدین ابراہیم بن شمس الدین التمش کی بیٹی تھی اور اپنے حسن اخلاق و میگساری سے سخت نالاں تھی۔ ایک روز شہزادہ نے بدستی کے عالم میں اس عفت تاب لڑکی کو طلاق دیدی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۱ سے آگے) کسی علم کو مزور جانتا ہے۔ وہ علم خواہ الہامی ہو جیسے کہ حیوانات وغیرہ

کو ہوتا ہے۔ خواہ بدیہی استدلالی یا تصدیقی ہو جیسے کہ انسان فرشتوں اور جنات کا علم ہے

لیکن علم لدنی ایک ایسا علم ہے جو کسی کو اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے فضل خاص کے سوا حاصل

نہیں ہوتا۔ اسی علم کے حصول کے لئے کسی دیوی استاد کی ضرورت نہیں ہوتی۔ لدن عربی

میں قربت کو کہتے ہیں اور انسان جو اللہ رب العزت کے قریب ہوتا چلا جاتا

ہے اس پر حقائق و معارف اور امر اور موز کے دروازے کھلتے جاتے ہیں۔ سلسلہ نقشبندیہ میں

حضرت سائیں توکل شاہؒ اناوری اور سیدی و مرشدی حضرت میاں شیر محمد رحمۃ اللہ

علیہ شرف پوری ظاہری تعلیم کم ہونے کے باوجود صاحبان علم لدنی ہیں۔



اور اس سے علیحدگی اختیار کر لی۔ لیکن تین دن گزرنے کے بعد اس سے ملنے کے لئے مضطرب اور بے قرار ہو گیا۔ علماء سے رجوع کے بارے میں استفتاء کیا۔ لیکن انہوں نے سوائے حلالہ کے کوئی صورت و ترکیب نہ بتائی جس سے وہ بیوی کی طرف راغب ہو سکتا۔ لیکن محمد خاں شہید حلالہ ایسی کڑی شرط کو اپنی حمیت و غیرت پر ضرب کاری سمجھتا تھا۔ فوراً خلوت میں گیا اور قاضی امیر الدین کو بلا کر کہا: باپ کے غضب سے خائف و ترساں اور دوزخ سے لرزاں ہوں۔ اگر پر شہزادی کی مفارقت کسی صورت میں بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ قاضی نے فوراً ایک ترکیب بتائی کہ شہزادی کا نکاح شیخ عارف سے کر دیا جائے اور پھر ان سے چھکے سے طلاق حاصل کر لی جائے۔ شہزادہ اس پر راضی ہو گیا اور شیخ عارف کا نکاح شہزادی سے کر دیا گیا۔ پھر دو سکر دن ان سے کہا گیا کہ شہزادی کو طلاق دے دیں۔ شہزادی کو معلوم ہوا تو وہ حضرت کے پائے اقدس پر سر رکھ کر کہنے لگی کہ اگر آپ مجھے اس فاسق و فاجر کے سپرد کر دیں گے تو بروز حشر آپ کی دامن گیر ہو کر کہوں گی، بِأُتِي ذَنْبِ قَتَلْتُمْ شیخ کو اس کی النکاح و زاری پر رحم آگیا اور آپ نے شہزادی کو طلاق دینے سے انکار کر دیا۔ شہزادہ سلطان محمد خاں شہید کو پتہ چلا تو حکم دیا کہ حضرت عارف کے گھر کو خون سے لالہ زار بنا دیا جائے۔ شیخ کو خبر ہوئی تو کوہ گراں کی طرح غیر متزلزل رہے! اسی دوران میں تاتاری اچانک حملہ آور ہو گئے اور شہزادہ کی فوج پسپا ہو گئی۔ بلکہ شہزادہ بھی ان کے ہاتھوں شہید ہو گیا۔ فرشتہ اس واقعہ کو تفصیل سے لکھنے کے بعد حافظ شیرازی کے مندرجہ ذیل شعر پر داستان کو ختم کرتا ہے:

کس گناہ کے باعث وہ قتل کی گئی (القرآن)



گنج تاروں کہ فروری رُدا ز قعر بہنوز

خواندہ باشی کہ ہم از غیرتِ درویشا نست

شہزادی شیخ کی زوجیت میں اگر شہزادہ کی عادتِ قبیحہ سے نجات پاگئی اور واصلانِ حق سے ہوگئی۔ مگر حیرت و استعجاب کی بات ہے کہ فاضل مورخ نے اس روایت کی صحت کا لحاظ نہیں رکھا۔ کیونکہ شہزادہ محمد خاں شہید کے محاصرہ محاسن اور خصائل و شیم جو خود فرشتہ نے تحریر کئے ہیں ان سے اس واقعہ کی تکذیب ہوتی ہے۔ پھر تاریخ فیروز شاہی شمس سراج اور تاریخ فیروز شاہی مولانا ضیاء الدین برنی میں اس واقعہ کا ذکر تک نہیں۔ شمس سراج اور ضیاء الدین برنی اس دور کے مستند اور قابل اعتبار مورخین ہیں۔

آپ کی صحبتِ کیمیا اثر اور فیضانِ نظر سے بہت سے

**آپ کے خلفا**

اربابِ جمال و جلال اور کمال پیدا ہوئے۔ ان حضرات کی

زندگیوں کا مقصد وحید مخلوقِ خدا کے اخلاق کی تہذیب تھا۔ چنانچہ آپ نے بہت سے مریدانِ باصفا کو خرقہِ خلافت عطا کر کے متعدد مقامات پر رشد و ہدایت کے چراغ جلانے کی تلقین فرمائی۔ اگر اویچ شریف شیخ جمال خداں کے قدمِ میمنتِ لزوم سے مشرف ہوا تو بدایوں شیخ حسام الدین ملتانی کے انوار سے منور ہوا۔ ان کے علاوہ مولانا علاء الدین نجندی اور احمد بن محمد قندھاری المعروف بہ معشوق اللہ حضرت عارف کے محبوب ترین خلفاء میں سے تھے۔

شیخ نے ان روحانی یازگاروں کے علاوہ ایک علمی یادگار کنوز

الفوائد پھوڑی ہے جو آپ کے ملفوظات پر محتوی ہے۔ اسے حضرت کے ایک

مخلص ارادت کیش خواجہ ضیاء الدین نے مرتب کیا۔ رچہ یہ کتاب نایاب ہے لیکن اجازتِ الاخیار مستند سے شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی میں اس کتاب کے



اقتباسات جا بجا نظر آتے ہیں۔ آپ ایک حدیث قدسی کے حوالہ سے فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لا الہ الا اللہ میرا قلب ہے جو کوئی اس کے اندر داخل ہوا وہ تمام مصائب دُخن سے مصون ہوا اور میرے عذاب سے محفوظ ہو گیا پھر اس قلعہ کی مزید تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس حصن حسین (مقبوط قلعہ) کی تین قسمیں ہیں۔ ظاہر۔ باطن اور حقیقت

۱۔ حصن ظاہر سے مراد صرف محض خوفِ خدا اور ماسوا اللہ سے کُلّی القطار ہے  
۲۔ حصن باطن سے مراد یہ ہے کہ موت سے قبل جو کچھ واقع ہوتا ہے وہ اصل عارضی ہوتا ہے اور دنیا کی کسی چیز کو ثبات نہیں۔ اس لئے کہ دنیا کی کوئی چیز بھی قابلِ اکتفات نہیں۔

۳۔ حصن حقیقت یہ ہے کہ دل کے کسی گوشہ میں اُردوئے خلد و جنال نہ ہے اور نہ ہی نارِ بہیم کا کھٹکا ہے۔ صرف اللہ ربّ العزت کا ہی اسم ذات ہو۔ دل میں جب یہ حقیقت راسخ ہو جاتی ہے تو باغِ نعیم اور جنتِ خود بخود انسان کے پیچھے پیچھے چلنے لگ جاتے ہیں۔

ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ حضور سید المرسلین رحمۃ اللعالمین کی اتباع و پیروی کی شرطِ اولین یہ ہے کہ ایسا لانے کے بعد بندہ اس پر استقامت اختیار کرے اور کسی قسم کے شک و شبہ کو اپنے پاس بٹھکنے نہ دے۔ انسان پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اپنی ذات میں یکتا اور صفات میں یگانہ سمجھے۔ اُسے اسماء و صفات اور افعال کے لحاظ سے قدیم سمجھے۔ تینا کس و ادراک کی حد سے ماورا سمجھے۔ حدوث عوارض اور تجسم کی علامتوں سے پاک اور منزاً خیال کرے۔

شیخ عارفؒ جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو آپ شیخ الشیرازی حضرت شہاب الدین سہروردی کا خرقہِ خلافت اور دیگر

وصال



اشیاء جو آپ کو اپنے والد بزرگوار سے عطا ہوئی تھیں اپنے فرزند و لبسند شیخ  
 رکن الدین ابوالفتح قدس سرہ کو عطا کر دیں۔ اپنا خلیفہ و مسند نشین مقرر فرمایا اور  
 جان شیریں کو جان و جہانِ آخری کے سپرد کر دیا۔ تاریخ وفات "مذالدین عارف"  
 سے برآمد ہوتی ہے۔

اچھے کامر قد میاں ک ملتان میں ہے اور آپ اپنے والد محترم حضرت  
 غوث العالمین بہادر الدین زکریا ملتان کے پہلو میں مدفون ہیں۔ رحمۃ اللہ علیہ۔



# شیخ رکن الدین ابوالفتح

عجب اللہ اکبر اقتدار رکن عالم علم سرفراز جہاں ہر خاکسار رکن عالم علم  
تجلی گاہ انوار ازل ہے کوفہ حضرت چراغ طور قندیل مزار رکن عالم علم

اتنی آسمان سہروردیہ سے طلوع ہونے والے اس ماہ منیر اور آفتاب درخشاں  
کا جسمی و جانی اور روحانی تعلق حضرت غوث العالمین بہار الحق والدین زکریا ملتانی اور  
ان کے لخت جگر و نور نظر حضرت شیخ صدر الدین عارف سے ہے۔ یعنی آپ شیخ بہار الحق  
زکریا کے پوتے اور شیخ صدر الدین عارف کے لخت جگر ہیں۔ آپ نے ان ہی دونوں  
بزرگان دین کی نظر فیض اثر سے روحانیت میں کمال حاصل کیا اور علوم معقول و  
مقول سے بہرہ مند ہوئے۔

حضرت شیخ رکن الدین ابوالفتح رحمۃ اللہ علیہ ۹ مینان  
المبارک ۶۴۹ ھ بروز جمعہ المبارک رونق افروز عالم

آپ کی پیدائش



ہوئے۔ آپ کی والدہ محترمہ کا نام بی بی راستی تھا جو اپنے حسن کردار و اعمال اور اشغال میں اسم بامستی تھیں۔ انہیں ان کے نیک خصائل، تدین، تورع اور تقویٰ کے باعث "رابعہ بصری" عصر کہا جاتا تھا۔ کلام پاک سے اس قدر شغف تھا کہ جب تک ایک بار ختم نہ کر لیتیں دلی کو سیری نہ ہوتی۔ حضرت شاہ رکن عالم رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ کو اپنے خسر مکرم حضرت بہاء الحق زکریا سے حد درجہ عقیدت تھی۔ کہتے ہیں ایک دن وہ اپنے خسر کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو حضرت شیخ بہاء الحق نے بخلات عادت ان کی تعظیم و تکریم کی۔ شیخ کے اس عمل سے حضرت بی بی راستی حیران ہو گئیں۔ جب شیخ نے ان کے چہرے پر حیرانی کے آثار دیکھے تو فرمایا: "اے بی بی! یہ تعظیم اُس شخص کی ہے جس کی تو حاملہ ہے۔" پھر یہ بچہ سراج اولیاء چراغ اقلیم اصفیاء اور شمع ایوان اقیام ہو گا۔ اس کی ضیا پاشیوں سے ہزاروں افراد کے دل منور و مستنیر ہوں گے اور لاکھوں انسان صراط مستقیم اور جادۂ حق پر آجائیں گے۔

ایام طفولیت میں آپ کو لاڈ پیار سے "شاہ جلولہ" کہا جاتا تھا۔ روحانی و جسمانی پرورش غوث العالمین دادا کی نگرانی میں ہوئی۔ آپ سے بچپن میں ہی کرامات باہرہ کا ظہور ہونے لگا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ دودھ پلانے سے پہلے آپ کی والدہ وضو کر لیتی تھیں۔ آپ نے کلام مجید حفظ کر رکھا تھا۔ رضاعت کے دوران میں جب کلام اللہ کی تلاوت کرتیں تو حضرت شاہ رکن عالم کلام اللہ سن کر از حد خوش و خرم ہوتے۔ اذان

رابعہ عربی میں "چوتھی" چہارم کو کہتے ہیں۔ کہتے ہیں حضرت رابعہ بصری اپنے والد کی چوتھی

لڑکی تھیں۔ آپ ایک زبردست عالمہ، متورعہ، متدینہ اور ولیہ محق تھیں۔ بصرہ میں سکونت

کے باعث بصریہ کہلاتی ہیں۔ آپ حضرت خواجہ حسن بصری کی ہم عصر تھیں۔ ان کا زمانہ دوسری

صدی ہجری کا زمانہ ہے۔



سن کر بھی آپ پر محبت کا عالم طاری ہو جاتا تھا۔ آپ نہایت انہماک سے اذان کو سنتے جب آپ نے اپنی زبان سے پہلا حرف نکالا تو وہ "اللہ" تھا۔

چار سال کی عمر میں کھیل کود کے دوران میں آپ اپنے دادا حضرت غوث العالیین کی دستہ اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لی۔ والدہ محترمہ نے منع فرمایا تو حضرت غوث نے فرمایا: کچھ نہ کہو۔ یہ میری مسند و دستار کا مالک ہو گا۔ چنانچہ یہی دستار بہ حفاظت رکھ لی گئی۔ اور جب آپ زیب مسند شیخیت ہوئے تو آپ کے سر پر وہی دستار مقدس رکھ دی گئی۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک عورت کا بچہ سخت بیمار ہوا۔ علاج و معالجہ کے باوجود اس کی حالت دگرگوں ہوتی گئی اور نزع کے آثار نمایاں ہو گئے۔ بچہ کو جان کنی کے عالم میں حضرت غوث ثانیؒ کی خدمت میں لے گئی اور اس کی صحت و تندرستی کے لئے دعا کی طالب ہوئی۔ حضرت نے فرمایا "اللہ کو منظور یہی ہے کہ تیرا نور نظر اس دارِ فانی سے دارِ عقبیٰ کی طرف چلا جائے۔ حضرت کی زبان سے یہ الفاظ سن کر عورت روتی دھوتی روانہ ہوئی خوش قسمتی سے راستہ میں اُسے حضرت شاہ رکن عالمؒ کھلتے ہوئے مل گئے۔ آپ نے فرمایا "مائی کیا بات ہے؟" عورت بولی حضرت غوث کے دربار سے بصد حرمان و یالوس واپس جا رہی ہوں۔ یہ سن کر آپ نے عورت سے کہا "تیرا بچہ تو زندہ ہے کون کہتا ہے یہ مردہ ہے؟ بچہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے زندہ ہو گیا اور عورت خدان و شادان گھر چلی گئی حضرت غوث نے سنا تو فرمایا بیٹیا! ایسی جسارت آئندہ نہ کرنا کیونکہ اہل طریقت ایسی دلیری کو ناپسندیدہ نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔

الوارِ غوثیہ کے مؤلف فرماتے ہیں کہ شاہ رکن عالمؒ سات برس کی عمر میں پابندِ صوم و صلوة تھے۔ نماز ہمیشہ "وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاعِينَ" کے حکم کو ملحوظ رکھتے ہوئے ادا کرتے۔ عبادت و ریاضت تقریبی و طہارت پاکیزگی و پرہیزگاری میں یکتا سے زمانہ



تھے۔ پند و نصائح، شفقت و موافقت، اُلفت و محبت، مروت و مودت، بردباری و تحمل،  
حُسنِ خلق اور حُسنِ ظن میں لاثانی تھے۔ رب العزت نے آپ کو علم و جلال و صدق و صفا،  
عفو و وفا اور جود و سخا کا ایک بحر بیکراں بنا دیا تھا۔ آپ کا اکثر وقت ذکرِ خفیٰ

(LATENT REMEMBRANCE) اور ذکرِ جلی (PATENT REMEMBRANCE)

میں گزرتا۔ ریاضت و مجاہدہ میں اس جفاکشی اور جافشانی سے کام لیتے کہ دیگر اہل  
مجاہدہ حیران و ششدر رہ جاتے۔ دس برس کی عمر میں احوال و کشفِ قبور اور کشفِ  
قلوب میں فائق ہوئے اور اس کے پندرہ برس بعد کمالاتِ صوری اور معنوی کا اُسوہ  
کا طین گئے۔

آپ ریاضت و مجاہدہ میں حضرت سلطان شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ کی روش پر  
چلتے تھے۔ کشفِ قلوب کا یہ عالم تھا کہ ہر پاپ بیٹھنے والے کے دل کے خطرات و خواہشات  
سے آگاہ ہو جاتے اور طبی ارض کا یہ حال تھا کہ طرفۃ العین میں کہیں کے کہیں پہنچ جاتے

۱ یاد الہی میں جمیع غیر اللہ کو دل سے فراموش کر کے حضورِ قلب کے ساتھ قرب و محبت حق تعالیٰ  
کے انکشاف حاصل کرنے کی کوشش کو ذکر کہتے ہیں۔ چنانچہ ہر وہ چیز جس کے توسل سے یادِ حق ہو  
خواہ اسم ہو یا رسم۔ فعل ہو یا جسم، کلمہ ہو یا شمار یا تلاوتِ قرآن یا درودِ پاک یا ادعیہ یا کیفیات یا  
کوئی اور چیز جس سے مطلوب کی یاد ہو اور طالب و مطلوب میں رابطہ پیدا ہو یا بڑھے۔ اصطلاح  
تصرف میں ذکر کے نام سے موسوم ہے۔ چنانچہ بندگانِ خدا کے جملہ افعال و اقوال و احوال  
جو یادِ حق سے خالی نہیں رہتے اذکار ہیں۔ ذکر کا کمال یہ ہے کہ ذاکر و مذکور کے درمیان سے  
جملہ حجابات اٹھ جاویں۔

۲ حضرت سلطان ابوسعید فضل اللہ بن ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ خراسان کے علاقہ خاداران میں پیدا ہوئے  
سالِ پیدائش ۳۵۰ ھ بمطابق ۹۴۱ء ہے۔ خاداران میں تعلیم پائی۔ فقہی تعلیم کے لئے مرو تشریف لے  
(باقی صفحہ پر)



حضرت سید جمال الدین بخاری المعروف بہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت (۷۷ تا ۸۲۰) کے  
ملفوظات جامع العلوم میں مرقوم ہے کہ حضرت شیخ رکن عالم ہر جمعہ کی شب کو اور دو  
شنبہ کی شب کو مکہ معظمہ میں مسجد حرام میں نماز ادا کرتے اور بعد ازاں مدینہ منورہ پہنچ کر  
حضور رسالت مآب میں تحفہ صلوٰۃ و سلام پیش کرتے۔

آپ کے علوم تربیت اور مدارج روحانیہ کے متعلق مولف نسیر العارفین شیخ جمالی  
بدری الفاظ گویا ہیں۔

وجودش آیتے در شان معنی	جہان معرفت سلطان معنی
ہمیشہ جانش از انوار مسرور	دلش از طلعت اسرار مسرور
بہ ظاہر در شریعت چست و چالاک	بباطن در حقیقت رفتہ بیاک
زودہ بر سرش کوس انتقامات	بمک فقر از کشف و کرامات
یگانہ شیخ رکن الدین ابوالفتح	کلامش پاک از طامات و از شطح

بمک فقر جز نعمت بنودش

جمالی ریزہ چین خوان بخودش

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۰ سے آگے) گئے۔ وہاں شیخ عبداللہ المحصری سے تلمذ کیا۔ روحانی اکتساب حضرت

شیخ المشائخ ابوالفضل سرفی ابوالعباس قصاب اور حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی سے کیا۔ خرقہ

خلافت و طریقت حضرت ابوعبدالرحمن سے عطا ہوا۔ آپ نہایت شیریں گفتار اور صلح کل انسان

تھے اُمراء سے جو کچھ ملتا خرابی میں تقسیم کر دیتے۔ مرغان مرغ طبیعت پائی تھی۔ ہر ایک سے خذہ

پیشانی سے ملتے یہاں تک عشرت پسندوں سے بھی ملتے سے احترام نہ فرماتے۔ اپنے

۴۲۰ء میں قصبہ مہنہ ولایت خاوران میں وفات پائی۔ رباعیات شیخ ابوسعید ابوالخیر

تھانق و معارف کا گنجینہ ہیں۔



آپ سلاطین و مشائخ دونوں کو شرف پار یابی بخشا کرتے اور انہیں اپنے فیوض و  
برکات سے متمتع ہونے کے مواقع بخشے۔ مشائخ و سلاطین سے ملتے وقت ان کے مراتب و  
مدارج کو ضرور مد نظر رکھتے تھے۔ بزم صوفیہ میں منقول ہے کہ آپ سلطان علاء الدین  
خلجی کے عہد میں ایک بار سلطان سے دہلی تشریف لائے تو سلطان نے نہایت ترک و  
احترام اور گروہ فر سے آپ کا استقبال کیا۔ آپ کو نہایت اعزاز و اکرام سے دہلی لایا اور  
تقریباً دو لاکھ کے قریب سکہ رائج الوقت خدمت میں پیش کیا اور پھر رخصت کے  
وقت پانچ لاکھ ٹنگے اور نذر کئے۔ حضرت نے دہلی کو خیر باد کہنے سے قبل یہ تمام رقم تقسیم کر  
دی جس کے نتیجے میں کئی ہزار مساکین و غرباء تنگی و عسرت کی زندگی سے نجات پا گئے  
آپ سلطان وقت کے اس اعزاز و اکرام کے باوجود فرماتے تھے کہ میں صرف دہلی  
میں حضرت نظام الدین اولیاء کی محبت اور شوق ملاقات میں آتا ہوں۔ کہتے ہیں دل  
کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء بھی آپ سے کمال شفقت و  
محبت اور مہر و مروت سے پیش آتے اور دل سے اشتیاق ملاقات کا اظہار کرتے  
چنانچہ جب حضرت رکن عالم دہلی تشریف لائے تو آپ کے پاس حضرت سلطان اولیاء  
بھی اپنی جلالت و عظمت کے ساتھ شیخ عالم کے لئے چشم براہ پائے گئے۔

دہلی میں صیغہ شاہی ہوتے ہوئے بھی آپ اپنا وقت حضرت شیخ نظام الدین  
اولیاء کے پاس ہی گزارتے تھے۔ دونوں حضرت ایک دوسرے کا غیر معمولی اجلاں و اکرام  
کرتے تھے۔ حضرت شیخ عالم جب بھی دہلی تشریف لاتے تو نماز جمعہ دہلی کی جامع مسجد میں  
ادا کرتے۔ ایک دفعہ جب شیخ عالم نماز جمعہ کی ادائیگی کے لئے جامع مسجد میں  
تشریف لے گئے تو حضرت محبوب الہی بھی وہاں موجود تھے۔ نماز ادا کرنے کے بعد حضرت  
محبوب الہی ایک وسیع صحن سے گزرتے ہوئے حضرت شیخ عالم کے پاس پہنچے اور  
ان کے فارغ ہونے تک ان کے عقب میں سکوت و خاموشی سے بیٹھ گئے۔ جونہی آپ



فارغ ہوئے آپ نے ان سے والہانہ معافگی کیا۔ پھر حضرت رکن عالم کا ہاتھ پکڑ کر اسی جگہ واپس چلے گئے جہاں سے آئے تھے۔ پھر جب مسجد سے روانہ ہونے لگے تو ایک دوسرے سے اصرار کرنے لگے کہ پہلے وہ ڈولے میں سوار ہوں آخر کار حضرت محبوب الہی کا اصرار غالب رہا اور حضرت رکن عالم ان سے پہلے اپنے ڈولے میں سوار ہوئے۔

ان ہی دنوں شیخ رکن الدین عالم کے پاؤں میں کچھ تکلیف تھی لیکن آپ اس تکلیف کے ہوتے ہوئے بھی حضرت نظام الدین اولیا کی خانقاہ پر ان کی زیارت کے لئے تشریف لائے۔ حضرت رکن عالم نے اپنی پانچویں سے اترنے کی کوشش کی لیکن حضرت محبوب الہی نے روک دیا کہ آپ ایسا نہ کریں۔ چنانچہ آپ چند ارادت کیشوں کے ساتھ ان کے ڈولے کے پاس آئے۔ جو نہی یہ دو دستارے ایک ہی بروج میں مجتمع ہوئے تو حضرت رکن عالم کے بھائی حضرت عماد الدین اسماعیل نے چاہا کہ بعض وقتیں مسائل حل ہو جائیں۔ چنانچہ ان دونوں بزرگوں سے اجازت لے کر استفسار کیا کہ حضور علیہ السلام کی ہجرت کا کیا مقصد تھا؟ شیخ عالم نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض کمالات کی مدینہ منورہ کی ہجرت پر ہی منحصر تھی۔ اسی لئے آپ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت پذیر ہوئے۔ حضرت محبوب الہی نے فرمایا "میری دانست میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو مدینہ مطہرہ میں اس لئے بھیجا کہ حضور کے وہ صحابہ کرام جو غربت و تنگدستی کے باعث مکہ معظمہ میں حاضری سے قاصر تھے وہ بھی تاجدار عرب و عجم کی ذات بابرکات سے استفادہ و استفادہ کر کے ظاہری و باطنی کمالات میں کامل و اکمل ہو جائیں۔ اس گفتگو کے اختتام پر حضرت خواجہ نظام الدین اولیا نے وہیں کھانا منگایا اور کھانے کے بعد حمیرہ پر نیاں کے پارچات اور ایک سوا شرفیاں حضرت رکن عالم کی خدمت میں بطور نذرانہ پیش کیں۔ اشرفیوں کو دیکھتے ہی شیخ عالم نے فرمایا "اِسْتَدَّ هَبِكُ" اپنے سونے کو ڈلہنے یعنی محبوب الہی نے ہجرت فرمایا "اِسْتَدَّ هَبِكُ وَ ذَهَابِكُ وَ مَذْهَبِكُ" یعنی



آپ اپنے سونے کو اپنی چال کو اور اپنے رات کو چھپائیے۔ جب شیخ رکن عالم نے حضرت نظام الدین اولیاء کے نذرانوں کو مستبول کرنے میں ذرا تامل کیا تو آپ کے بھائی شیخ علاؤ الدین اسماعیل کو پیش کر دیئے۔

حضرت شیخ کی غذا نہایت تھوڑی لیکن مقوی اجزاء سے پر ہوتی تھی۔ اس کا فائدہ یہ تھا کہ ریاضت و مجاہدہ کے دوران میں آپ کے قومی میں اضمحلال پیدا نہ ہوتا۔ زیادہ ترمیوے استعمال ہوتے تھے جن کو دودھ یا گھی میں جوش دے دیا جاتا تھا اور آپ اسے تناول فرمایا کرتے تھے۔ اس کے بعد کسی اور چیز کی حاجت نہ رہتی تھی۔ حضرت مخدوم جہانیاں فرماتے ہیں کہ حصول علم کے لئے جب وہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کے مشروبات میں سے کچھ حصہ انہیں بھی مل جانے لگا۔ اس سے قومی میں غیر معمولی طاقت محسوس ہونے لگی۔ وہ فرماتے ہیں کہ شیخ عالم کہا کرتے تھے کہ سالک کی غذا ایسی ہونی چاہیے جس میں کیت کم اور کیفیت زیادہ ہو۔

ایک دن آپ کے متوسلین نے طبیب نکتانی سے کہا کہ آپ کچھ نہیں کھاتے طبیب نکتانی آیا تو شیخ عالم کے لئے حسب سابق غذا لائی گئی تو آپ نے اس میں سے چند لقمے تناول فرمائے اور کسی قدر طبیب نکتانی کو بھی کھانے کے لئے کہا۔ طبیب نکتانی نے کھانے کے بعد کہا "اب مجھے سات روز تک غذا کی حاجت نہ ہوگی۔ ایسی غذا جو شخص کھاتا ہے اسے طاقت و دھرم میں طاقت حاصل ہوتی ہے۔"

حضرت شیخ عالم کے دہلی میں زمانہ قیام میں حضرت فرید الدین گنج شکر کے مرس کا زمانہ آگیا۔ چنانچہ دہلی میں بھی پاپتن کی طرح ایک تقریب کا انعقاد کیا گیا۔ اس محفل میں شیخ رکن الدین عالم نے بھی شرکت فرمائی۔ مجلس سماع گرم ہوئی تو حضرت مجرب الہی

پر وجد و حال کی کیفیت طاری ہو گئی اور اضطرابی کیفیت میں کھڑا ہونا چاہا لیکن شیخ رکن الدین نے ان کا ہاتھ پکڑ کر بٹھا دیا۔ چند دقیقے بعد پھر حالت وجد شروع ہوئی تو پھر کھڑے ہو گئے۔ اس واقعہ شیخ نے ان کو بٹھانے کی کوشش نہیں کی۔



بلکہ دوسروں کی طرح خود بھی ایسا تادہ ہو گئے۔ مجلس کے اختتام پر مولانا علم الدین نے ایسا تادہ ہونے کا سبب پوچھا تو شیخ نے فرمایا: پہلی بار شیخ نظام الدین اولیاء کی رسائی عالم ملکوت تک ہوئی تھی وہاں تک میری رسائی ممکن تھی۔ اس لئے میرا ہاتھ پہنچ گیا اور ان کو بٹھا دیا۔ دوسری بار ان کی رسائی عالم جبروت میں ہوئی وہاں تک میری رسائی نہ تھی اس لئے میں نے مزاحمت نہ کی۔

مصنف سیر الاولیاء لکھتے ہیں کہ ایک بار حضرت رکن عالم ملتان سے دہلی تشریف لائے۔ حضرت محبوب الہی بھی ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ حج کے ایام تھے اس لئے جب حضرت رکن عالم سلطان المشائخ سے ملے تو فرمایا کہ یہ حج کے ایام ہیں میں حج کی زیارت سے تو محروم ہی رہا لیکن بحمد اللہ آپ کی زیارت سے مجھے حج کا ثواب ضرور مل جائے گا یہ سن کر حضرت محبوب الہی کی آنکھیں میں آنسو آگئے اور اظہارِ ندامت کیا۔

یہ باتیں حضور کی تھیں۔ دونوں بزرگ خیاب میں بھی ایک دوسرے کے احترام و توقیر میں فرق نہیں آنے دیا کرتے تھے۔ ایک بار ایک خراسانی عالم نے حضرت محبوب الہی سے عرض کی کہ جب میں آپ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوتا ہوں تو آپ مجھے کچھ نہ کچھ کھلا پلا دیتے ہیں۔ مگر حضرت رکن عالم کی خدمت میں کئی بار حاضر ہوا ہوں انہوں نے کبھی کوئی چیز نہیں کھلائی پلائی۔ حضرت نے فرمایا کہ میں حضور علیہ السلام کی اس حدیث مقدمہ پر عمل کرتا ہوں :

عالم ملکوت : وہ عالم ہے جو نفوس، ارواح اور ملائکہ کے لئے مضمون ہے۔  
عالم جبروت : صوفیاء کی اصطلاح میں : مرتبہ وحدت : مرتبہ صفات اور حقیقت  
محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہیں۔



مِنْ رَأْسِيَا وَلَمْ يَذُقْ مِنْهُ شَيْئًا فَكَانَتْ بَيْنَنَا "یعنی جو شخص زندہ کی زیارت کرے اور اس سے مزہ نہ پائے تو گویا اس نے مرده کی زیارت کی ہے" خراسانی عالم نے پوچھا کیا شیخ اس حدیث سے نا ابلد ہیں؟ حضرت محبوب الہی نے فرمایا: شیخ رکن الدین حقیقی عمل کرتے ہیں اور وہ ذوق روحانی چکھاتے ہیں۔

ہر اللہ والا فیوض و برکات کا بحر زخار ہوتا ہے۔  
**فیوض و برکات** | حضرت شیخ رکن عالم بھی فیض و برکت اور رحمت

کے ایک بحر بیکراں تھے۔ آپ کی ذات والا صفات سے مخلوق خدا کو بہت فیض پہنچا ہزاروں محتاج حاجت روائی اور ہزاروں مغلوب کار کشائی کے لئے حاضر ہوتے کوئی ہی بد قسمت ہوگا جو آپ کے دربار سے خالی گیا ہو۔ چنانچہ مخلوق کی حاجت روائی اور مشکل کشائی کے باعث آپ "قبلہ حاجات" مشہور ہو گئے تو اصرار اور انکساری کا یہ عالم تھا کہ چلتے وقت دونوں ہاتھ ڈولے سے باہر رکھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ شاید کسی اللہ کے نیک بندے کا ہاتھ میرے ہاتھ سے لگ جائے تو میں بھی بنتا جاؤں۔

حضرت شیخ عالم رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت خواجہ نظام الدین ادلیا سے حد درجہ محبت والفت تھی۔ آپ حضرت سلطان الادلیا کی زیارت کو کعبہ سے تشبیہ دیتے تھے۔ حضرت محبوب الہی سے حضرت شیخ رکن عالم کی محبت والفت اس واقعہ سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ انہوں نے اپنے خلیفہ خاص حضرت شیخ وجیہ الدین عثمان سیاح کو حضرت محبوب الہی کی قربت و حضور کی خاطر دہلی میں ہی قیام کرنے کا حکم دیا تھا۔ شیخ عثمان جن کا مزار دہلی میں ہے جب سنام سے سیر و سیاحت کرتے ہوئے دہلی پہنچے تو ایک دن کینڈرگسی میں نہر کے پاس حضرت شیخ رکن عالم کو نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا۔ ان کے چہرہ پر نظر پڑی تو قلب و جان الوار الہی کا مرکز بن گئے اور اسی جگہ حضور کے مخلص ارادت مندوں میں شامل ہو گئے۔ حضرت شیخ



رکن الدین ان کو اپنے ساتھ ملتان لے گئے اور ایک عرصہ ان کو اپنے فیوض و  
برکات سے نوازتے رہے۔ اسی عرصہ میں کلام اللہ حفظ کیا اور حضرت شیخ شہاب الدین  
عمر سہروردی کی مشہور نام کتاب "عوارف المعارف" پڑھتے رہے۔ شیخ رکن الدین  
عالم خود فرماتے ہیں کہ جس دن سے شیخ عثمان میرے حلقہ ارادت میں شامل ہوئے  
اسی روز سے انہوں نے دنیا ترک کر دی اور تہجد و اختیار کر لیا۔ ایک تہ بند کے علاوہ  
ان کے پاس کوئی چیز نہیں رہتی تھی۔ آپ اسی بے سرو سامانی کے عالم میں زیارت حرمین  
الشریفین کو روانہ ہو گئے۔ ایک سال تک مدینہ منورہ میں قیام کیا۔ دو مرتبہ حج بیت اللہ  
سے مشرف ہوئے۔ کعبہ شریف کے طواف کے دوران میں چشم بصیرت سے دیکھا کہ  
جناب حضرت علیہ السلام ان پر سایہ کئے ہوئے تھے۔ یہ دیکھ کر بے چین ہو گئے اور اسی  
وقت دوسرے ممالک کی سیروسیاحت کو روانہ ہو گئے۔

سات برس کے طویل عرصہ کے بعد ملتان مراجعت کی۔ مرشد نے کمال اشتیاق  
سے معاف کیا۔ سر کو بوسہ دیا اور فرمایا "تم نے یہ بہت اچھا کیا۔ جب حضرت علیہ السلام  
کا ہاتھ سر پر دیکھا تو مسافرت اختیار کرنی ورنہ مخلوق کے فتنہ میں پھڑ جاتے۔ یہ  
کہہ کر اپنا گزرتہ اپنے محبوب و مخلص مرید کو پہنا دیا اور اپنی دستار اس کے سر پر  
رکھ دی چند روز قیام کے بعد وہی روانہ کر دیا۔ رخصت کرتے وقت فرمایا حضرت  
خواجہ نظام الدین اولیاء کے قریب ہی قیام کرنا۔ دہاں پہنچنے پر سب سے پہلے میرا سلام  
کہنا اور ان کے ہدایات کے مطابق سکونت پذیر ہونا۔ شیخ عثمان نے اپنے مرشد  
کے ارشادات پر حرف بحرف عمل کیا۔ جب مرشد کا سلام پہنچایا تو انہوں نے کھڑے  
کھڑے و علیکم السلام فرمایا۔ شیخ عثمان حضرت محبوب الہی سے والہانہ محبت کے  
باعث مشہور ہو گئے۔ انہیں ذوق و ذوق سماع پہلے ہی تھا لیکن محبوب الہی کے  
تعلق سے اور اضافہ ہو گیا۔ ایک دن اپنی قیام گاہ پر بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک



امیر حسن قوال پر نظر پڑ گئی۔ امیر حسن حضرت محبوب الہی کے محبوب ترین قوال تھے۔ آپ اس کے گانے پر بہت فریفتہ تھے۔ امیر حسن بھی حضرت محبوب الہی اور شیخ عثمان کے روحانی رشتہ سے آشنا تھے۔ ان کو دیکھ کر خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت شیخ عثمان امیر حسن قوال سے نہایت الفت و مہربانی سے پیش آئے اور کچھ سنانے کے لئے کہا۔ ان دنوں بادشاہ وقت نے سماع پر سخت قدغن لگا رکھی تھی اس لئے امیر حسن نے کچھ سنانے میں تامل کیا۔ حضرت شیخ عثمان گانے پر مضمحل ہوئے۔ امیر حسن نے خائف ترساں مدہم آواز میں گانا شروع کیا۔

زاہد زویں برآمد و صوفی زاعتقاد  
ترسا محمدی شد و عاشق بہاں کہ مست  
یعنی زاہد دین سے اور صوفی اعتقاد کے دائرہ سے نکل گیا عیسائی مسلمان ہو گیا اور عاشق میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ عاشق عاشق ہی ہے۔

امیر حسن کے تکرار سے شیخ عثمان نہایت متکلیف ہوئے اور بے خودی کے عالم میں تواجد چرخ کرنے لگے۔ اور امیر حسن سے باآواز بلند گانے کو کہا۔ وہ بھی شیخ کے جذب و مستی کو دیکھ کر بے اختیار ہو گیا۔ اور دل کھول کر گانے لگا۔ شیخ عثمان نے اسی شوق و مستی میں دروازہ کھولنے کا حکم دیدیا۔ دریں اثناء اور بہت سے قوال آگئے اور یہ محل سماع جذب و کیف اور مستی و سرور سے معمور ہو گئی۔ شہر کے تمام صوفیا۔ اس محل میں شریک ہوتے گئے اور کئی ہزار تاشائیوں پر وجد طاری ہو گیا۔ شیخ عثمان وہی شہر جو امیر حسن قوال نے شروع میں پڑھا تھا۔ پڑھتے ہوئے مکانیت کی حدود سے باہر آگئے اور تعلق آباد کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ قوال بھی ساتھ ساتھ گاتے جاتے تھے اور پیچھے پیچھے لوگوں کا ایک جم غفیر تھا۔ اسی عالم میں تعلق آباد کے شاہی محل کے نزدیک پہنچ گئے سلطان غیاث الدین کو کسی فتنہ کا خطرہ لاحق ہو گیا۔ چنانچہ اس نے ملک شادی خان کو تحقیقات



کے لئے بیجا اُس نے اطلاع دی کہ شیخ عثمان نے مکانیت و اخوانیت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے محفل سماع قائم کر رکھی ہے۔ یہ سن کر سلطان برہم ہو گیا مگر پھر اُس نے اس فہرست کو منگا کر دیکھا جس میں ان درویشوں اور فقراء کے نام تھے جنہوں نے ان کے حریف تخت و تاج کے دعویدار خسرو خاں سے رشتہ تہی لی تھیں۔ اس فہرست میں شیخ کا نام نہ تھا۔ اس لئے بادشاہ کا غیظ و غضب ہر دمجت میں تبدیل ہو گیا۔ وہ شیخ عثمان کو دیکھ کر بہت متاثر ہوا۔ حکم دیا گیا کہ شیخ عثمان اور ان کے رفقاء کو قصر شاہی میں قیام کرایا جائے اور شاہی مطبخ سے ان کی ضیافت و مہمان نوازی کی جائے۔ چنانچہ فقراء اور صوفیاء کی یہ جماعت تقریباً تین دن تک شاہی مطبخ سے کھانا کھاتی رہی۔ جب شیخ عثمان رخصت ہونے لگے تو بادشاہ نے ایک رقم خطیر پیش کی جو انہوں نے قبول نہ کی اور غیاست پور کی طرف چل دیئے۔ یہ واقعہ اس محضر سے پہلے کا ہے جس کا ذکر حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے حال میں آچکا ہے

اپنی علماء و فضلاء اور درویشوں سے محبت  
حضرت شیخ رکن عالم کو علماء کرام  
اور فضلاء عظام بالعموم اور درویشان

باصفا سے بالخصوص محبت و الفت تھی۔ اُن سے نہایت خلوص اور اشتیاق سے چلتے تھے اور تعظیم و تکریم میں بالکفر سے کام لیتے تھے۔

حضرت مخدوم جہانیاں فرماتے کہ ایک بار ایک شخص حضرت رکن عالم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ وہ آپ کے اساتذہ کی اولاد میں سے ہے حضرت نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ آپ نے اس کے والد سے کبھی سورہ اخلاص کا سبق لیا تھا پھر فرمایا: تم میرے آقا زادے ہو۔ مجھے اسی طرح حکم دو جس طرح ایک مالک اپنے غلام کو دیتا ہے۔ اُس نے متاع دنیوی کے لئے عرض کیا۔ حضرت شیخ رکن عالم



نے اس کو اسی وقت دس ہزار ٹکے مرحمت فرمائے۔

## لقب ابوالفتح کی وجہ تسمیہ

آپ ابوالفتح کے گرامی لقب سے ہیں  
باعث مشہور ہوئے کہ آپ اپنے باطنی

انوار و تجلیات سے اپنے تمام متوسلین اور ارادت مندوں کے دلوں کے احوال و  
خطرات معلوم کر لیتے تھے۔ مجمع الاخبار میں منقول ہے کہ ایک دفعہ بادشاہ وقت  
نے ظہیر الدین بیگ سے پوچھا کہ تم نے شیخ رکن الدین عالم کی کوئی کرامت دیکھی ہے  
انہوں نے فرمایا کہ ایک دن لوگ ان کی دست بوسی اور قدم بوسی کر رہے تھے تو میرے  
دل میں خیال آیا شاید شیخ کے پاس تسخیر کا کوئی عمل ہے۔ میں بھی عالم ہوں لیکن میری  
طرف کوئی توجہ نہیں فرماتے۔ میں نے ارادہ کیا کہ اگلے دن شیخ سے وضو میں گلی  
کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کی حکمت دریافت کروں گا۔ رات کو سویا تو دیکھا  
کہ شیخ مجھے حلوہ کھلا رہے ہیں جس کی شیرینی و حلالت صبح تک زبان پر رہی  
میں نے اس کرامت کو شیطانی مکر و فریب پر محمول کیا۔ صبح کو جب میں شیخ کی خدمت  
میں حاضر ہوا تو مجھ کو دیکھتے ہی فرمایا "میں تمہارا ہی منتظر تھا۔ پھر دوران  
گفتگو میں فرمایا "جنابت دو قسم کی ہوتی ہے۔ جنابت جسم اور جنابت دل۔ جنابت  
جسم کا سبب تو بالکل واضح ہے مگر جنابت دل ناہموار آدمیوں کی صحبت سے پیدا  
ہوتی ہے۔ جسم تو پانی سے پاک ہو جاتا ہے لیکن دل کی جنابت آنکھوں کے پانی سے  
دور ہوتی ہے۔ اس کے بعد پانی کے تین اوصاف بیان فرمائے۔ رنگ، مزہ اور  
بو" پھر فرمایا شریعت مطہرہ نے وضو کے دوران میں گلی کرنے اور ناک میں پانی  
ڈالنے کو اس لئے مقدم رکھا ہے کہ گلی کرنے سے مزہ معلوم ہو جاتا ہے اور ناک میں  
ڈالنے سے اس کی بو معلوم ہو جاتی ہے۔ پھر فرمایا جس طرح بنی کی صورت میں شیطان  
ظاہر نہیں ہو سکتا اسی طرح شیخ حقیقی کی صورت میں بھی شیطان ظاہر نہیں ہو



لنگتا۔ کیونکہ شیخ حقیقی کو نبی پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کاملہ حاصل ہوتی ہے۔ شیخ ظہیر الدین بیگ کا بیان ہے کہ جس وقت حضرت شیخ رکن الدین عالم کی زبان سے یہ کلمات نکل رہے تھے تو اس وقت میرے جسم سے پسینہ جاری تھا وضو کے بعد دعائے وضو پڑھتے۔ ایک روز دعا پڑھنا بھول گئے اور صرف الحمد للہ ہی کہا۔ خادم خاص نے حضرت کے نانا جان سے جا کر کہہ دیا کہ آج حضرت نے صرف الحمد للہ ہی پڑھا ہے اور کوئی دعا نہیں پڑھی۔ وہ شیخ رکن الدین عالم کے پاس آئے اور وجہ دریافت کی۔ حضرت شیخ نے فرمایا۔

”آج وضو میں دنیا اور آخرت کا خیال دل میں تمہیں گذرا تو میں سمجھا کہ آج میرا وصال ہے۔ اس لئے صرف الحمد للہ کہا۔“

حضرت اپنی وفات سے تین ماہ پہلے ہی گوشہ نشین ہو گئے تھے اور سوائے نماز فرض کے اپنے حجرہ سے باہر نہ آتے تھے۔ آخر ۱۶ رجب المرجب ۷۳۵ھ کو بروز پنجشنبہ بعد از نماز عصر آپ نے اپنے خادم خاص کو بلایا اور اپنی تجہیز و تکفین کے بارے میں وصیت فرمائی۔ چونکہ آپ کے ہاں اولاد نہ تھی نہ تھی اس لئے خرمہ مسند و خلافت اپنے ایک بھائی کو عطا کیا اور نماز مغرب ادا کرتے ہوئے

جان شیریں جہان جان آفریں کے سپرد کر دی انا للہ وانا الیہ راجعون

روضہ انور ملتان میں ہے جو تہ صغیر پاک و ہند کی عمارت میں عمدہ ترین عمارت ہے۔ سندھ کے لوگ آپ سے والہانہ عقیدت رکھتے ہیں اور جب تک ملتان میں رہتے ہیں پابریہ چلتے پھرتے ہیں۔

آپ کی کوئی ایسی تصنیف و تالیف دستیاب نہیں جس سے آپ کے ارشادات و ملفوظات کا مطالعہ کیا جاسکے

تاہم مجمع الانبیاء جو آپ کے ایک مرید کی تالیف ہے، میں آپ کے وصایا اور



ملفوظات مرقوم ہیں۔ جن کے خال خال اقتباسات اخبار الاخیر میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے نقل کئے ہیں۔ ان اقتباسات سے آپ کی متصوفانہ تعلیمات کا پتہ چلتا ہے۔ اپنے ایک مخلص مرید کو لکھتے ہیں

آدمی دو چیزوں سے عبارت ہے، صورت اور صفت۔ ان دو اشیاء میں سے درخورد اعتناء آدمی کی صورت ہے۔ خدائے لم یزل صورتوں کو نہیں دیکھتا بلکہ دلوں کو دیکھتا ہے اگر کسی کا دل اوصاف ذمیرہ سے بھرا ہوا ہو تو اس کا شمار حیوانات و بہائم میں ہے اوصاف ذمیرہ کو دور کرنے کے لئے ترکیب نفس کی ضرورت ہے اور ترکیب نفس اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک بندہ اپنے خالق حقیقی سے استعانت و استمداد نہ کرے۔ استعانت و استمداد کے وقت اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نزول ہوتا ہے فضل و رحمت الہی کی یہ نشانی ہے کہ بندہ کی چشم بینا میں اس کے محبوب ظاہر ہو جاتے ہیں اور عظمت الہی کے انوار کے پرتو سے ساری کائنات اس کی نظر میں پیچ ہو جاتی ہے اور جب یہ حالت اس کے قلب و دل پر غلبہ حاصل کر لیتی ہے تو اس کے اوصاف فرشتوں کے اوصاف ہو جاتے ہیں۔ اور اس میں ظلم کی بجائے عفو، غضب کی بجائے حلم، تکبر کی بجائے تواضع، سخی کی بجائے سخاوت اور حرص کی بجائے سخاوت کی خوبیاں پیدا ہو جاتی ہیں، مگر یہ خوبیاں عقیقی کے طلب کرنے والوں کے لئے ہیں۔ طالبان حق کے اوصاف اور بھی بلند تر ہیں۔ وہاں تک پہنچنے کے لئے ہر شخص کی عقل کام نہیں دیتی۔

فرمایا کرتے تھے کہ اعضاء و جوارح کو شرعی ممنوعات سے قلاً، فعلاً اور عملاً باز رکھنا چاہیے۔ لایعنی مجالس سے گریز لازم ہے۔ لایعنی مجالس سے مراد ایسی مجالس ہیں جو حق تعالیٰ سے برگشتہ کر کے دنیا کی طرف مائل کرتی ہیں۔ بطالتوں سے بھی احتراز ضروری ہے۔ بطال وہ لوگ ہیں جو طالب دنیا ہیں طالب حق نہیں ہیں۔



## شیخ المشائخ حضرت صدر الدین محمد حاجی

حضرت صدر الدین محمد حاجی، حضرت رکن الدین ابوالفتحؒ کے بھائی کے نورِ نظر تھے حضرت شیخ عالمؒ کی اولاد نرینہ نہ تھی۔ آپ نے انہیں اپنے ہی لختِ جگر کی طرح پالا۔ اور انہیں زیورِ تعلیم سے آراستہ اور اخلاقِ حسنہ سے پرستہ کرنے کے لئے جید علماء و فضلاء کو مامور فرمایا۔ جن حضرات کے سپرد آپ کی تعلیم و تربیت ہوتی ان میں سے حضرت حمید الدین حاکم کا نام سرفہرست ہے۔ یہ اُن کے نگرانِ اعلیٰ تھے حضرت صدر الدین حاجی محمدؒ جوان ہو کر نہایت خداترس، حلیم و متواضع اور عالم و فاضل نکلے۔ شیخ رکن الدین ابوالفتحؒ نے داعیِ اجل کو لبیک کہتے ہوئے یہ وصیت فرمائی کہ میرے انتقال کے بعد میری مسند کا وارث صدر الدین محمد کو بنایا جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور آپ کو مسندِ رکن الدین عالم پر بٹھا دیا گیا۔ آپ نے مسندِ ارشاد پر جلوہ آرا ہوتے ہی مدرسہ و خانقاہ کے انتظام و انصرام کی طرف توجہ خاص دی اور لشکرِ اسی انداز سے چلایا جس انداز سے آپ کے آباء و اجداد کے زمانہ میں چلتا تھا۔



"شیخ الاسلام" کا عہدہ جلیلہ جو حضرت بہار الدین زکریا کے زمانہ سے اس خاندانِ ذیشان میں چلا آ رہا تھا۔ اس کا اختتام حضرت رکن الدین ابو الفتح پر ہو گیا۔ حضرت صدر الدین حاجی محمد نے اس عہدہ کی طرف چنداں التفات نہ کی کیونکہ بادشاہ وقت اپنے متشددانہ رویہ سے رعایا میں بدنام ہو رہا تھا اور آپ ظالم و قاہر بادشاہ سے روابط استوار نہیں کرنا چاہتے تھے۔

۷۵۲ء میں سلطان محمد تغلق اس دارِ فانی سے رخصت ہو گیا۔ امراء و

اعیان سلطنت نے متفقہ طور پر سلطان فیروز شاہ تغلق کو منتخب کر لیا۔ فیروز شاہ ایک نیک سیرت و نیک نہاد نوجوان تھا جسے درویشوں سے خاص اُنس و محبت تھی۔ وہ تخت پر بیٹھتے ہی ملتان پہنچا اور حضرات بہار الدین و الحق زکریا اور حضرت شیخ محمد یوسف گردیزی قدس اللہ اسرارہما کے مزارات پر حاضری دی اور ان کے وسیلہ جلیلہ سے بارگاہِ صمدیت سے اپنی کامیابی و کامرانی کے لئے دعا مانگی۔ ان ہی ایام میں حضرت شیخ صدر الدین محمد حاجی کو معلوم ہوا کہ خواجہ جہاں وزیر اعظم دہلی نے ایک ایسے لڑکے کو سلطان محمد کا لڑکا ظاہر کر کے اورنگ نشین کر رکھا ہے جس کا شاہی خاندان سے دور کا تعلق بھی نہیں اور ممکن ہے کہ وہ سلطان فیروز شاہ سے حصولِ سلطنت کے لئے مقابلہ کرے۔ انہیں حالات حضرت حاجی محمد نے سلطان کو جگہ انہراجات پورا کرنے کے لئے اپنی جیبِ خاص سے ایک خطیر رقم بطور عطیہ پیش کی۔ آپ کی اتباع کرتے ہوئے ملتان کے بہت سے امرا اور تجار نے بھی اشرافیوں سے بھری ہوئی ہمیائیاں سلطان کی نذر کر دیں اور دیکھتے ہی دیکھتے شاہی خزانہ میں لاکھوں روپے جمع ہو گئے۔ سلطان نے شکریہ ادا کیا اور کہا۔ "ہا جیو! میں یہ رقم بطور قرض حسنہ اور وہ بھی مصلحتاً قبول کرتا ہوں صرف وہی جاننے کی دیر ہے انشاء اللہ اسے واپس کر دوں گا۔" روانگی کے وقت حضرت صدر الدین محمد حاجی



سے نہایت عجز و انکسار سے عرض کی کہ آپ کے اجدادِ عظام رحمۃ اللہ علیہم ہمیشہ اپنے  
 قدمِ میمنت لزوم سے دہلی کو شرفِ بخشے رہے ہیں اور اپنے پند و نصائح و  
 مفید تجاویز سے نوازتے رہے ہیں آپ بھی ان کی سنت سمجھ کر دہلی تشریف  
 لائیں۔ حضرت شیخؒ کو سلطان فیروز شاہ کا یہ طرزِ تکلم جس میں عاجزی و انکسار  
 کی جھلک تھی بہت پسند آیا اور دہلی جانے کا وعدہ فرمایا۔ چنانچہ جب شاہ بنگال  
 کی مہمات پر قابو پانے کے بعد جشنِ استقلال کی تیاری میں تھا تو آپ دہلی تشریف  
 لے گئے۔ ان ہی دنوں سلطان سرسہ اور ٹانسی کے درمیان ایک مقام پر ایک  
 نہایت عالی شان اور جدید طرز کے شہر کی تعمیر میں مصروف تھا اور حضرت کو  
 ملتان سے آئے ہوئے کافی دن ہو چکے تھے۔ آپ نے مراجعت کا اظہار فرمایا تو رخصت  
 سے پہلے سلطان نے حضرت کی خدمتِ اقدس میں گواہی بہا تحائف پیش کئے جو  
 ایک بیش قیمت خلعتِ شمشیر مرصع اور طلائی ہودج کے ہاتھی پر مشتمل تھے۔  
 ان تحائف کے علاوہ ہمدہ شیخ الاسلام بھی قبول کرنے کو کہا جو آپ نے خاندانی  
 روایت کو مد نظر رکھتے ہوئے قبول فرمایا۔

آپ دہلی میں گاہے بگاہے ان فرانس کی ادیبیگی کے لئے تشریف لے جایا  
 کرتے تھے جو بحیثیت شیخ الاسلام آپ کو ادا کرنا ہوتے تھے۔ اکثر بادشاہ سے ملاقاتیں  
 ہوتیں اور آپ بادشاہ کو رعایا سے نیک سلوک کرنے کی تلقین فرماتے تھے۔ ان  
 ملاقاتوں کا تذکرہ تاریخ فیروز شاہی کے مصنف مولانا شمس سراج عقیف نے کیا ہے۔  
 مولانا لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ ہمیشہ ایک پرگزر نے کے بعد بادشاہ کی ملاقات کے  
 لئے تشریف لاتے تھے۔ اس وقت بادشاہ قصر شاہی کی کھڑکی میں قالین پر بیٹھا ہوا  
 ہوتا تھا جب سلطان کو جناب شیخ صدر الدین محمد حاجی کی آمد کی خبر ملتی تو وہ اپنے امرام  
 و اعیان کے ہمراہ آپ کے استقبال کے لئے باہر آتا اور اپنے ہاتھوں سے شیخ الاسلام



کے زانوئیں کو چھوتا۔ حضرت بھی بادشاہ سے بہ کمال شفقت پیش آتے اور اسے سینے سے لگاتے اور اپنی دعاؤں میں ہمیشہ یاد رکھتے۔ محل میں داخلہ کے بعد آپ سلطان کے ساتھ ہی مسند پر بیٹھے اور سلسلہ گفتگو کا آغاز ہوتا۔ مجلس میں تاقی بغدادی اور ملک کبیر کے علاوہ کسی تیسرے شخص کو بیٹھنے کی اجازت نہ ہوتی۔ یہ دونوں حضرات موذبانہ حضرت کے پس پشت کھڑے رہتے اور بادشاہ وقت بڑے احترام و ادب سے آپ کی مزاج پرسی کرتا۔ خیر و عافیت دریافت کرنے کے بعد گفتگو شروع ہوتی اور دوران گفتگو میں قسم قسم کے مشروبات اور میوہ جات سے تواضع ہوتی پھر جب صحبت واپس تشریف لے جاتے تو بادشاہ مشایعت کے لئے جاتا اور الوداع کہنے کے بعد حضرت سے دعائیں لیتا۔ اگر آپ بادشاہ کو کچھ مفید مشوروں سے نوازا چاہتے تو ربلا نہ کہتے بلکہ کاغذ پر لکھ کر دیں چھوڑ آتے۔ بادشاہ کاغذ کو پکڑتا تو آنکھوں سے لگاتا اور پھر مضمون کو غور سے پڑھتا اور جواب میں تعجیل کرتا۔ بعض اوقات بادشاہ حضرت کے خط کا جواب اس سرعت و عجلت سے دیتا کہ وہ حضرت کے منزل مقصود یعنی ملتان پہنچنے سے پہلے ہی پہنچ چکا ہوتا۔

مولف تاریخ فیروز شاہی ایک اور ملاقات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ایک دن شیخ الاسلام صدر الدین محمد بادشاہ کے ساتھ گفتگو فرما رہے تھے کہ وہ معاش کا ذکر چھڑ گیا۔ ان دنوں بادشاہ نے رعایا کے لئے وظائف کا نیا حکم جاری کیا تھا۔ آپ نے اس پر اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے فرمایا: "وقت جاں سپاری بندہ مومن پر دروغ و نام طاری ہوتے ہیں ایک اندوہ دینی دوسرا رنج دنیاوی۔ اندوہ دینی سے یہ مراد ہے کہ آخری لمحوں میں بندہ مومن اپنے فطری خصائل و کیفیات کے مطابق رنج و غم میں مبتلا ہوتا ہے کہ ایسے نازک مرحلے پر اُسے نجات کی بشارت و نوید ملتی ہے یا عذاب آخرت کی۔ اس لئے کہ کسی شخص کو اپنے خاتمہ کا صحیح علم نہیں ہے اور یہ کہ انبیاء علیہم السلام



اور حضرت عشرہ مبشرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سوا کسی کو درجہ عصمت حاصل نہیں ہے۔ دوسرا اندوہ جو مومن کے دل پر طاری ہوتا ہے۔ وہ دنیاوی رنج و الم ہے ہر شخص عالم نکر میں اس کے بعد اس کے بال بچے کس طرح گذراوقات کریں گے۔ اسے بادشاہ! تو نے اپنے عہدِ عدل و انصاف میں ہر مومن کو دنیاوی رنج و فکر سے نجات دے دی ہے۔ اس حکم میں رعایا کے لئے اطمینان اور بادشاہ کے لئے بے حساب ثواب ہے اور میرا ایمان و ایقان ہے کہ تو نے (بادشاہ) مومن کے قلب کو دنیاوی رنج و غم سے نجات دلا دی ہے تو پروردگارِ عالم جل جلالہ جس کے رحم و کرم بے شمار اور لامحدود ہیں۔ تجھے بھی عاقبت کے رنج و غم سے نجات دے دے گا۔ اور بسلاستی ایمان جنت الماویٰ میں مکن غنایت فرمائے گا۔

آپ یہ باتیں کر رہے تھے تو دربار پر ایک سناٹا چھایا ہوا تھا۔ تقریر کے خاتمہ پر حاضرین دربار بارگاہِ رب العزت میں سر بسجود ہو گئے اور اپنے سن خاتمہ بادشاہ کی سلامتی کے لئے دعائیں مانگتے رہے۔ بادشاہ یہ منظر دیکھ کر ابدیدہ ہو گیا اور کہنے لگا۔

حضرت آپ کی ذاتِ اقدس اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ مجھ سے پہلے بادشاہ چند روزہ دنیا میں حکمرانی کرتے رہے اور پھر چل بسے اور ہم کو ایک روز اس جہانِ فانی سے سفر کرنا ہے۔ اس کے بعد مندرجہ ذیل شعر پڑھا۔

عشرہ مبشرہ وہ دس صحابہ کرام ہیں جن کو حضورِ غیبیؐ نے ان کی زندگی میں جنت کی بشارت دے دی تھی۔ ان کے نام یہ ہیں: حضرت سیدنا ابوبکر صدیقؓ، حضرت سیدنا عمر ابن الخطابؓ، حضرت سیدنا عثمان بن عفانؓ، حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ حضرت سیدنا طلحہؓ، حضرت سیدنا زبیرؓ، حضرت سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت سیدنا عبدالرحمن بن عوفؓ، حضرت سیدنا سعید بن زیدؓ، حضرت سیدنا ابوعبیدہ ابن جراحؓ۔



چوں بزم ماہِ بینی خامی زما بگونی ۛ روزے دریں محلت غور غازی حسابی  
 ایک دفعہ سلطان فیروز شاہ اپنے لشکر کے ساتھ ٹھٹھہ کو جاتا تھا اور  
 حضرت صدر الدین محمدؒ بھی ساتھ ہی تھے راستہ میں ایک مقام پر شیخ الاسلام نے فرمایا  
 "بادشاہ نے پہلی دفعہ ٹھٹھہ پر لشکر کشی کی اور لشکر شاہی دہلی سے روانہ ہوا تو بادشاہ  
 نے اجودھن پہنچ کر حضرت شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر کے مزار کی زیارت کی لیکن حضرت  
 شیخ الاسلام بہار الدین زکریا کے آستانہ عالیہ پر حاضری سے قاصر رہا حالانکہ اہل نظر ان  
 دونوں آستانوں میں کسی قسم کی تفریق گوارا نہیں کرتے تھے۔ بادشاہ سے فرمایا تم فوراً  
 یہ تدرمانو کہ مہات سندھ سے فارغ ہو کر مشائخ گرام ملتان کے مزارات کی حاضری دیں  
 گے۔ شیخ الاسلام کی تقریر سن کر فیروز شاہ کہنے لگا "حضرت! یہ خطرہ بارہا میری  
 طبیعت میں پیدا ہوا ہے۔"

سلطان جب سندھ کی مہات سے کامیاب ہو کر واپس آیا تو راہ میں حضرات  
 مشائخ ملتان کے مزارات کی زیارت کرتا گیا۔ شہر میں داخل ہوئے تو اہل ملتان نے  
 سلطان کا بصد شان و شوکت استقبال کیا۔ انہی ایام میں شیخ الاسلام نے خواب دیکھا  
 کہ حضرت بہار الحق زکریا فرما رہے تھے بیٹا! تم نے قطب الاقطاب کو میری پائنتی  
 میں دفن کر دیا ہے اس سے مجھے سخت تکلیف ہو رہی ہے۔ ایسا کرو کہ ان کے صندوق  
 کو میرے مقبرے میں منتقل کر دو۔ شیخ الاسلام نے اس خواب کا ذکر سلطان سے کیا  
 اس نے کہا کہ یہ قبہ تو سلطان محمد نے اپنی زندگی میں حضرت قطب الاقطاب کی  
 نذر کیا تھا۔ آپ لوگوں نے حضرت کو اس میں دفن کیوں نہ کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ  
 چونکہ یہ قبہ سرکاری خزانہ سے تعمیر ہوا تھا اس لئے آپ نے اس کو پسند نہ فرمایا۔  
 سلطان نے کہا میں ذاتی طور پر جانتا ہوں کہ اس مقبرے پر سرکاری روپیہ خرچ  
 نہیں ہوا۔ کون پسند کرتا ہے کہ اس کی قبر پر ششہ مال خرچ ہو۔ سلطان نے اس کو



خالص آمدنی سے بنوایا تھا اور اس کی تعمیر ایک دیندار اور متقی معمار نے کی تھی۔ آپ بلا توقف حضرت کو اس مقبرہ میں دفن کر دیں۔ سلطان کی یہ باتیں سن کر شیخ الاسلام کی طبیعت میں شگفتگی پیدا ہو گئی اور قطب الاقطاب کو مقبرہ سلطانی میں منتقل کر دیا گیا۔ اس تقریب میں ملتان کے بہت سے سربراہ آوردہ اشخاص نے شرکت کی۔ فیروز شاہ نے خود تابوت کو کندھا دیا۔ صاحب تذکرہ ملتان نے انتقال تابوت کا واقعہ تفصیل سے لکھا ہے۔ جس کا اجمال یہ ہے۔ "وفات کے بعد جب سلطان تغلق کو دہلی میں دفن کیا گیا تو وہ قبہ جو اس نے ملتان میں اپنے لئے بنوایا تھا۔ اس میں حضرت بہا الدین دہلویؒ کے اشارہ سے سلطان فیروز شاہ نے قطب الاقطاب کو اس میں دفن کر دیا۔"

قطب الاقطاب کے تابوت کے انتقال کے بعد آپ کچھ عرصہ

زندہ رہے اور ۷۶۶ھ میں شیخ الاسلام صدر الدین داعی

اجل کو لبیک کہہ گئے اور اپنے بزرگوں کے پہلو میں ہی مدفون ہوئے۔ رحمۃ اللہ علیہ

وقت



# شمس تبریز سنزوارمی

آپ ۵۴۰ء میں ایران کے معروف شہر سنزوار میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد سید صلاح الدین محمد نور بخش نے شمس الدین نام رکھا۔ آپ کا سلسلہ نسب سادات سنزوار سے ملتا ہے۔ مگر علوم انہیں شمس تبریز کے نام سے پکارتے ہیں جو سراسر غلط ہے۔

۱۔ تبریز قدیم ایران کے صوبہ آذربائیجان کے ایک مشہور شہر کا نام ہے۔ یہ شہر مردم خیزی اور علم پرورد انسانوں کی برعاست کے لئے مشہور ہے۔ اسے خلیفہ بغداد مارون الرشید عباسی کی عکہ زبیدہ خاتون نے آباد کیا تھا۔

۲۔ شمس تبریز جن کے والد کا نام بہاء الدین تھا حضرت مولانا جلال الدین محمد بنی مدینی (المتوفی ۷۴۲ھ) کے مرشد و معلم تھے۔ انہوں نے تبریز میں علوم ظاہری کی تحصیل و تکمیل کی بعد ازاں بابا کمال بختی کے مرید ہوئے۔ سوداگروں کی وضع میں سیر و سیاحت کرتے اور کلوان سراؤں میں مراقبات کرتے۔ اپنی صحبت کے متعل انسان کو پالینے کی وعامانگی تو مولانا (باقی اگلے صفحہ پر)



قام ازل اور فیاض مطلق نے شاہ شمس کو ذہن رسا اور مادہ فہم و ذکا وافر وافر عطا فرمایا تھا۔ چنانچہ آپ نے زمانہ طفولیت میں ہی اپنے والد سے فیوض و برکات کی دولت حاصل کی اور انیس سال کی عمر میں تمام علوم صوری و معنوی سے متصف ہو گئے۔ آپ نے اپنے والد کے ہمراہ اپنے وطن مالوف کو خیر باد کہا اور چرکس کے راستے بدخشاں میں آ گئے وہاں سے تبت کو چک ہوتے ہوئے کشمیر آ گئے اور کئی ہزار افراد کو اپنا حلقہ بگوش کرنے کے بعد واپس سبزوار چلے گئے۔ سبزوار میں ہی آپ کی عروس گیری کی تقریب منعقد ہوئی آپ کے ماں دو صاحبزادے پیدا ہوئے جو حلیہ تعلیم سے خوب آراستہ و پیراستہ ہوئے۔ شمس الدین نے کچھ عرصہ بعد تبریز میں سکونت اختیار کر لی اور بچوں کی کفالت کا بار آپ کے والد کے کندھوں پر آن پڑا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۰ سے آگے) روم کی طرف اشارہ ہوا۔ آخر مولانا اور شمس تبریز کی ملاقات برنج

فروشوں کی ایک سڑکے میں ہوئی جہاں مولانا روم کی زندگی میں یک لخت انقلاب آیا اس سے قبل مولانا پر ظاہری علوم کا رنگ غالب تھا۔ علوم دینیہ کا درس دیتے تھے و عطا کتے تھے فتویٰ لکھتے تھے۔ سماع سے باطل پر ہیز تھا۔ لیکن شمس تبریز کی ملاقات سے و عطا و پند اور درس و تدریس کے تمام اشغال بند ہو گئے اور سماع کے بغیر مولانا کو چین نہیں آتا تھا۔ مولانا کے کسی بیٹے یا مرید نے حد کی بنا پر حضرت شمس تبریز کو شہید کر دیا۔ لیکن جس شمس کے احوال و واقعات ہمارے زیر مطالعہ ہیں ان کا نام شمس الدین تھا اور والد کا نام سید صلاح الدین محمد تھا جو شاہ براکو کے پوتے اور فرقہ اسماعیلی کے مقتدا اور رہنما تھے۔ شمس الدین کی والدہ ماجدہ سیدہ فاطمہ سید عبدباری کی بیٹی تھیں شمس الدین طبعاً جذالی بزرگ تھے اور اسی طبعی جلالت کے باعث آپ کو تپ ریز بھی کہا جاتا تھا۔ یہ شیخ برادری اور زرگر برادری کے پیرو مشد بھی ہیں وہ فاندان جو ان کے ماتھ پر مسلمان ہوئے اپنے آپ کو شمس تبریز کہتے ہیں۔



بچے اپنے دادا کے ہاں پرورش پاتے رہے۔ اور شمس تبریز میں تقریباً بارہ سال کے عرصہ تک حالت استغراق میں پڑے رہے۔ سلوک و عرفان کے مدارج و مراتب طے کرنے کے بعد قونیہ تشریف لے گئے جہاں آپ کی ملاقات اپنے والد محترم سے ہوئی اور پھر پیر و پیر شام و مصر کی مسافرت و سیاحت کے بعد سبزوار میں آگئے۔ صاحبزادوں کے نکاح کئے اور میر و سیاحت کے ارادے دوبارہ سبزوار سے روانہ ہو گئے اور عراق عرب اور مصر میں دن رات تبلیغ اسلام میں مصروف رہے۔

۶۶۲ء میں شاہ شمس تبریز سبزوار کی والد سید صلاح الدین کو ایک شخص نے قتل کر دیا۔ ان کی تکفین و تدفین کے فرائض انجام دینے کے بعد شاہ شمس بغداد چلے گئے اور وہاں ایک سرائے میں قیام کیا۔ چونکہ اسماعیلی مذہب کے مشہر اور مبلغ تھے اور اسماعیلی مذہب میں غیر شرعی باتیں رواج پذیر ہو گئی تھیں جن کا ذکر نظام الملک نے اپنی معروف کتاب سیاست نامہ میں تفصیل سے کیا ہے۔ اس لئے وہاں لوگوں نے ان پر الحاد و ارتداد کا الزام لگایا۔ اور وہاں کے حاکم سے انہیں شہر بدر کر دینے کی درخواست کی۔ لیکن وہ ان کا عقیدت مند تھا اور انہیں تکلیف دیکر کسی مصیبت میں مبتلا ہونے پر عقیدہ رکھتا تھا۔ لیکن علمائے اُسے اس یقین و مانی پر کہ اسے کوئی مصیبت نہیں آئیگی شاہ شمس تبریز کو بغداد سے شہر بدر کر دیا۔ شاہ شمس قاضی شرع کے حکم سے بغداد چھوڑ کر کاظمین چلے گئے۔ چند دنوں کے بعد بادشاہ کا لڑکا بقضاء الہی انتقال کر گیا۔ بادشاہ کو اپنے کئے پر بہت ندامت ہوئی اور ان تمام علماء کو حکم دیا کہ وہ فوراً اس سے اظہار معذرت کریں۔ ممکن ہے میرا بچہ دوبارہ زندگی پالے۔ حکم عدولی کی صورت میں میں تم سے قصاص لوں گا اور تمہیں اس ضمن میں قتل کر دوں گا۔ بادشاہ کے حکم پر تمام علماء شاہ شمس تبریز کی خدمت میں پہنچے اور بڑی الحاج و زاری سے معذرت کی اور منت و ساجت کر کے انہیں بغداد واپس لے آئے۔ آپ نے بارگاہِ صمدانی میں دعا



کی تو بادشاہ کا بچہ زندہ ہو گیا۔ اسپر علمائے ظاہر نے ان پر کفر کا فتویٰ لگایا اور اس بات کے درپے ہو گئے کہ ان کی کھال کھینچا دی جائے۔ پیشتر اس کے کہ آپ کی کھال کسی اور سے اتر پائی جاتی آپ نے خود ہی اپنی کھال کھینچ دی۔ جسے شہر میں پھرایا گیا۔ شام ہوتے ہی آپ نے کئی داپس لے لی اور اسے لباس کی طرح جسم پر اوڑھ لیا اور ہندوستان جانے کا ارادہ کیا۔ بادشاہ وقت کے اس لڑکے کو آپ سے از حد عقیدت ہو چکی تھی۔ بادشاہ خود بھی ان کا بے حد احترام و اجلال کرتا تھا جب یہ عازم سفر ہندوستان ہوئے تو بادشاہ کے لڑکے نے بھی ان کے ساتھ جانے پر اصرار کیا۔ بادشاہ نے شاہ شمس کے ارتضا و خوشنودی کے پیش نظر اپنے بیٹے کو ان کے ساتھ روانہ کر دیا۔ ماں نے بہت سے لعل و جواہر اپنے تخت جگمگ کو دیئے۔ چلتے چلتے یہ مرشد و مرید ۶۶۵ میں ملتان کی سرزمین میں وارد ہوئے۔ یہ حضرت غوث بہاء الحق والدین زکریا ملتان کا زمانہ تھا۔ شہر میں داخل ہوئے ان کے خلاف ایک کہرام مچ گیا۔ لوگ ان پر پتھروں اور خذف رینروں کی بارش کرتے چلے جا رہے تھے۔ چنانچہ یہ اسی عالم میں موجودہ ریلوے سٹیشن کے مقام پر پہنچ گئے بھوک اور پیاس نے احمد نکو وار کے پیچھے کو مضحل کر رکھا تھا۔ پیچھے کی حالت دیکھ کر آپ نے ایک فلک شگاف نعرہ لگایا اور اللہ کی قدرت سے وہاں جنگل کی ایک ہرنی ظاہر ہوئی جس کے تھن دودھ سے لبریز تھے۔ شہزادہ نے حسب خواہش دودھ پیا۔ اس کے بعد حضرت نے ہرنی کو ذبح کیا اور اس کے پیٹ سے مطلوبہ گوشت نکال کر ہرنی کو تم باذن اللہ کہہ کر زندہ کر دیا اور وہ چوڑیاں بھرتی ہوئی چلی گئی۔ گوشت کو بھوننے کے لئے آگ کی ضرورت تھی۔ آپ نے شہزادہ کو فرمایا کہ شہر سے جا کر آگ لاؤ۔ شہزادہ نے سارے شہر سے آگ کے لئے در یوزہ گری کی لیکن کسی نے بھی آگ نہ دی۔ بلکہ ایک ظالم و ستم پیشہ حلوانی نے شہزادے کے چاند ایسے پھرے پر گرم گرم تیل کا چچھہ دے مارا۔ شہزادہ شدت درد سے چلا اٹھا۔ اور اتان و خیزاں و دنگراں حضرت کی خدمت میں جا پہنچا۔



آپ شہزادے کی حالت دیکھ کر مضطرب ہو گئے اور غیظ و غضب سے کانپ اٹھے۔  
 جسم کے روئیں روئیں میں تہر و غضب اور جلال کی لہر دوڑ گئی۔ اسی جلالت شان کے  
 ساتھ آسمان کی طرف نگاہ کی اور سورج سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا: دیکھ  
 تیرا نام بھی شمس ہے اور میرا نام بھی شمس! یہ بے رحم و ظالم لوگ ہیں گوشت بھوننے  
 کے لئے آگ نہیں دیتے تو ذرا پیچھے آ جا تاکہ تیری گرمی و تمازت میں ہم اپنا کھانا تیار کر لیں  
 حضرت کے کہنے پر آفتاب بہت قریب آ گیا اور شہر کے لوگ شدت گرمی سے تڑپنے  
 لگے۔ لوگوں کی حالت زار دیکھ کر شہر کے علماء و صلحاء اور زما و عباد آپ کی خدمت میں  
 آئے۔ آ کر معذرت کی قیام کے لئے رہائش گاہیں پیش کیں۔ اس پر آپ کا غیظ و غضب  
 فرو ہوا اور آفتاب آپ کے کہنے سے واپس چلا گیا۔ کہتے ہیں اسی واقعہ کے پیش نظر ملتان  
 کی گرمی مشہور جہاں چلی آتی ہے۔

آپ نے مستقل سکونت ملتان میں ہی اختیار کر لی اور دس سال کے عرصہ کے  
 بعد اس جہاں فانی سے دارالبقار کو تشریف لے گئے۔ مقبرہ عام خاص باغ سے بجانب  
 شمال دو فرلانگ کے فاصلے سے نظر آتا ہے جو مزاج عوام و خواص ہے۔ مزار کا بندوبست  
 نہایت ناگفتہ بہ ہے۔ مزار کی تولیت شیعوں کے ہاتھ میں ہے۔

ملتان کی چار چیزیں بہت مشہور ہیں۔ کسی نے کہا ہے

چار چیز است تحفہ ملتان گرو گرو گدا و گودستان



# حضرت شاہ گریز ملتانی

حضرت شاہ گریز ملتانی کا نام نامی یوسف تھا۔ آپ کے والد سید ابو بکر خاندان رسالت کے گوہر یکتا حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد سے تھے۔ آپ کا مولد قصبہ گریز ہے جو غزنی کے گرد و نواح میں واقع ہے۔ شاہ گریز کے دادا مخدوم شاہ علی تصوراً اس قصبہ گریز میں بغداد شریف سے ہجرت کر کے سکونت پذیر ہوئے یہ بزرگ صاحب کرامت تھے۔ انہوں نے حضرت شاہ گریز ملتانی کو تمام مدارج روحانی طے کرائے۔ آپ کی والدہ محترمہ نے بھی اپنے فیضانِ نظر سے انہیں کیمیا بنا دیا، ان بزرگوں سے روحانی فیض کے بعد آپ گھر سے سیر و سیاحت کے لئے نکلے۔ آپ نے ایران و توران اور روم و شام کا سفر کیا۔ اور دورانِ سفر میں عارفانِ حق اور سالکانِ جاوہِ مستقیم سے ملاقاتی ہوتے رہے اور ان سے فیوض و برکات حاصل کیں۔ اس طرح آپ صاحبِ تصرفات ظاہری و باطنی، حاملِ محاسنِ صوری و معنوی، قطبِ زمانہ اور وجدِ العصر بن گئے۔

والد محترم کی وفات کی خبر سن کر سیر و سیاحت ترک کر کے اپنے جدِ محترم کی خدمت



میں رہنے لگے۔ اکثر اوقات گوشہ نشینی میں گزارتے اور خلوت میں عبادت و اطاعتِ الہی میں ایک گونہ مسرت و راحت محسوس کرتے تھے لیکن جب خلوت سے جلوت میں آتے تو آپ سے مخیر العقول کرامات ظہور پذیر ہوتیں۔

ان کرامات کو دیکھ کر آپ کے دادا آپ کو پند و نصائح کے ذریعے ایسی باتوں کے اظہار سے منع کرتے تھے لیکن آپ نے صغریٰ میں جو ریاضتیں اور مجاہدے کئے تھے ان کے باعث غیر ارادی طور پر کرامتوں کا ظہور ہو جاتا تھا۔

اسی ضمن میں روایت ہے کہ آپ کے دادا کے چند ارادت کیشوں نے ایک بیمار و علیل بچہ کی صحتیابی کے لئے دعا کرنے کو عرض کی آپ نے اس بچہ کے لئے دعا کرنے سے گریز کیا اور اس کے درثناء کو مشیتِ ایزدی پر شاکر و صابر رہنے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ وہ لڑکا قضاے حق سے جان بحق ہو گیا۔ درثناء پر اس کے مرنے سے قیامت صغریٰ گذر گئی۔ وہ شور و دشین نوحہ و ماتم اور نالہ و شیون کرنے لگے۔ ان کی یہ گریہ زاری حضرت شاہ یوسف کو متاثر کئے بغیر نہ رہ سکی۔ آپ نے بارگاہِ کبریٰ میں ہاتھ اٹھائے۔ دعا کی اور وہ زندہ ہو گیا۔ اس واقعہ کو سن کر آپ کے دادا جان نے سخت ناراضگی کا اظہار کیا اور اپنے یہاں سے حضرت شاہ گردینہ کو رخصت کر دیا۔ چنانچہ سیر و سیاحت کرتے ہوئے آپ واردِ ملتان ہوئے اور یہاں ہی مستقل سکونت اختیار کر لی۔ بہت سے دیگر بزرگانِ کرام اور صلحاء امت کی طرح آپ شیر پر سواری کرتے ہوئے سانپ کو کوڑے کی بجائے استعمال فرماتے گویا یہ آپ کی ادنیٰ سی کرامت تھی۔ چنانچہ مندرجہ ذیل شعر اس بات کی تائید کرتا ہے۔

دانی سوار شیر کہ در دست مار کرد

مخدوم شاہ یوسف این جا قرار کرد

حضرت شاہ گردینہ کی ملتان میں آمد تقریباً ۴۸۱ ھ میں ہوئی۔ ان دنوں ملتان



اندرونی و بیرونی آفات و ملیات کا مرکز بنا ہوا تھا۔ آل سبکگلین کے مسلسل تاخت و تاراج سے ملتان مسکن مور و بلخ بن گیا تھا۔ کسی وقت دریائے راوی اس جگہ بہتا تھا جس جگہ حضرت کامزار ہے۔ آپ کی برکت سے دریائے اس طرف سے رخ تبدیل کر لیا اور ملتان کا شہر پھر سے تیسری بار آپ کے حجرہ عبادت کے ارد گرد آباد ہوا۔ موجودہ ملتان آپ ہی کا آباد کردہ ہے۔

آپ ایک مدت تک اہل ملتان اور دیگر خطوں کے لوگوں کو اپنے روحانی فیوض و برکات سے نوازتے رہے۔ آخر ۸۱ سال کی عمر میں اس دار فانی سے دار البقا کو سدا رہ گئے آپ کو اسی حجرہ میں دفن کیا گیا جہاں آپ مضر و عبادت و ریاضت رہتے تھے۔ آپ کے وصال کے بعد ایک شخص دُور دراز کے سفر کی صعوبتیں طے کر کے بیعت کی نیت سے آیا۔ اُسے حضرت کے وصال کا پتہ چلا تو رونے لگا۔ کہتے ہیں اسی وقت حضرت کا ہاتھ قبر سے باہر نکلا اور اس شخص نے حضرت کے دستِ حق پرست بیعت کر لی اور اس کی تمام باوسیاں اور سفری صعوبتیں خوشیوں اور مسترتوں میں تبدیل ہو گئیں ایک مدت تک یہی حال رہا کہ حضرت کا ہاتھ قبر سے باہر نکل آتا اور جو بھی زیارت کے لئے آتا وہ حضرت کی حیات بعد از ممات کا قائل ہو کر جاتا۔ قبر سے ہاتھ باہر نکلنے کا سلسلہ حضرت شیخ الاسلام صدر الدین عارف کے زمانہ مبارک تک رہا۔ آپ چونکہ متشرع اور پابند احکام شریعہ تھے۔ یہ نہیں چاہتے تھے کہ عالم برزخ کے حالات لوگوں پر ظاہر ہوں اس لئے آپ حضرت شاہ گردینہ کی قبر پر جا کر کہنے لگے اے یوسف! شریعت حقہ کی خلاف ورزی نہ کرو۔ اپنا ہاتھ قبر میں نہ کر لو۔ کیونکہ یہ سراسر دُرازدستی ہے۔ حضرت شیخ الاسلام کے کہنے پر آپ نے ایسا کرنا بند کر دیا۔

جو حضرات ملتان گئے ہیں انہیں معلوم ہے کہ حضرت شاہ گردینہ کا روضہ بوہڑ دروازہ کے اندر واقع ہے۔ روضہ اپنی خوبصورتی و جمال میں فنِ تعمیر کا بہترین نمونہ ہے۔ مزار



کے وسیع صحن میں حضرت شاہ گرو دین کے دیگر افراد خاندان کی قبریں ہیں۔

## حضرت مخدوم شمس اللہ

ہے خدا والوں میں یہ جاہ و وقار مخدوم  
 علماء و فقہاء حاشیہ بروار حضورؐ :  
 اہل عرفاں ہیں دل و جان سے نار مخدوم  
 آپ کی زندگی سادہ صحابہ کی مثال  
 اہل حق اہل نظر آئینہ دار مخدوم  
 باب والا سے مدینہ کی ہیں راہیں نزدیک  
 سیرت سرور کونین شعار مخدوم  
 ہے رہ قرب خدا را ہ گزار مخدوم  
 کیوں نہ ہو خلد نظر ساقی ملتان کا جمال  
 چشم سے نوش میں ہے کیف و خمار مخدوم

وصف مخدوم سے ملتی ہے دلوں کو راحت

اس لئے ہم بھی ہونے مدح نگار مخدوم

حضرت شیخ الاسلام صدر الدین محمد حاجی کی وفات کے بعد شیخ رکن الدین اسماعیل  
 سمرقندی زینت مند و رونق بخش سجادہ ہونے۔ شیخ رکن الدین اسماعیل سمرقندی حضرت  
 شیخ صدر الدین محمد کے اکلوتے بیٹے تھے۔ آپ اپنے والد محترم کے بعد تقریباً پینتیس یا پچیس سال

ساقی ملتان ! مراد حضرت شیخ الاسلام و المسلمین بہار الحق بہار الدین زکریا سہروردی ملتانی



زندہ رہے اور ۸۰۱ھ میں ہزاروں تشنہ کاموں کو حقیقت و معرفت کے خم پر خم پلاتے  
 ہوئے رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے۔ ان کے بعد آپ کے لختِ جگر حضرت عماد الدین آبا لیٰ مند  
 پر رونق افروز ہوئے۔ ان کی طبیعت میں فقر و غنا اور جو دو سخا کا عنصر بدرجہ اتم تھا۔  
 آپ سے بہت سے امرار و ایمان سلطنت دلی عقیدت رکھتے تھے۔ خاص کر خضر خاں آپ  
 کا مخلص ارادت کیش تھا اور اس نے آپ کو شیخ الاسلام کے منصبِ جلیلہ کے قبول کرنے  
 کی درخواست کی۔ شیخ عماد الدین نے خضر خاں کی دلجمعی کے لئے یہ عہدہ قبول کر لیا جب  
 آپ نے وفات پائی تو آپ کے چھ صاحبزادوں میں سے ایک صاحبزادے جن کا نام شیخ  
 صدر الدین حلیم تھا سجادہ نشین ہوئے۔ انہیں بھی شیخ الاسلام کا عہدہ جلیلہ دیا گیا۔  
 ان کے ہاں اولادِ زریزہ نہ تھی اس لئے ان کی وفات کے بعد ان کے چھوٹے بھائی شیخ محمد  
 یوسف قریشی آستانہ قادریہ غوثیہ کی تولیت پر مامور ہوئے۔ یہ وہ پرفتن اور پرحوادث  
 زمانہ تھا جب دہلی کی حکومت تارِ عنکبوت بن چکی تھی۔ مرکز سے بہت سے صوبے آزاد  
 ہو چکے تھے اور کئی والی اپنی اپنی حکومت کے قیام میں کوشاں تھے۔ ۸۲۷ھ میں سلطان  
 محمد شاہ تخت نشین ہوا۔ مگر اس کی سہل انگاری آرام طلبی نے مغلوں کو حملہ آور ہونے کے  
 مواقع بخشے۔ اور ان کی تاخت و تاراج سے شہر محفوظ نہ رہ سکا۔ اس تباہی و بربادی کے  
 بعد اہل ملتان نے اپنے خود مختار حاکم کے انتخاب کے لئے مشورہ کیا۔ اس سلسلے میں کئی نام  
 تجویز ہوئے۔ ان اسماء میں شیخ محمد یوسف کا نام بھی تھا جو حضرت بہار الحق والدین  
 کے سجادہ نشین تھے۔ ان کے تورع پر میزگاری اور تقویٰ کے پیش نظر تمام افراد نے  
 متفقہ طور پر آپ کو اپنا بادشاہ منتخب کر لیا اور آپ ۸۲۷ھ میں اورنگ نشین ہوئے  
 ماقبہ شیخ کو لنگاہوں کے فتنہ و فساد اور شورش کے پیش نظر تخت برداری کا اعلان  
 کرنا پڑا اور وہ مایوسی و حیرانگی کے عالم میں گجرات کی طرف روانہ ہوئے اور چتوڑ  
 پہنچ کر ان کی روحِ قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ شیخ یوسف قریشی صاحب اولاد تھے



اور اللہ نے انہیں چار بیٹیوں سے نوازا جو شاہ نعمت اللہ شیخ یحییٰ شیخ شہر اللہ اور شاہ عبد اللہ قریشی کے اسماء گرامی سے معروف تھے۔ ان میں سے شیخ مخدوم شہر اللہ زیادہ متدین پابند احکام شریعیہ اور خدا ترس تھے۔ جب لنگاہوں کی بغاوت فرو ہوئی تو لوگوں نے سلطان حسین کو اس بات پر مجبور کیا کہ وہ شیخ شہر اللہ کو دہلی آنے کی دعوت دے۔ چنانچہ جب سلطان حسین کی دعوت ملی تو آپ بڑے تزک و احتشام سے پایہ تخت دہلی کی طرف روانہ ہوئے۔ عقیدتمندوں نے شہر سے باہر آپ کا فقید المثال استقبال کیا اور آپ کو مسند یوسفی پر بٹھا دیا۔ شیخ شہر اللہ مخدوم نے مسند ارشاد پر بیٹھتے ہی خدمتِ خلق کا سلسلہ دراز کر دیا اور اپنے آباؤ اجداد کی طرح ہزاروں گم گشتگان منزل کو سراطِ مستقیم دکھائی آپ بڑے علیم، سلیم، الطبع اور متواضع تھے۔ مہمان نوازی میں فخر محسوس کیا کرتے تھے۔ سیر العارین کے موافقت شیخ مولانا جمالی رقمطراز ہیں کہ جب میں نے زیارتِ حرمین کی غرض سے سفر اختیار کیا اور ملتان پہنچا تو شیخ الاسلام کے مزار اقدس پر حاضری دی۔ ناتھ خوانی کے بعد مخدوم شہر اللہ کے ہاں گیا۔ آپ مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ اور شیخ الاسلام کے حجرہ عبادت میں قیام کے لئے اجازت مرحمت فرمائی۔ مجھ پر اس قدر کرمائیاں اور مہربانیاں فرماتے کہ کھانا بھی میرے ساتھ ہی کھاتے۔ میں نے اسی حجرہ میں چلہ کشی کی۔ تکمیل پہلے پر شیخ الاسلام کو عالم رویا میں دیکھا اور عرض کی حضور! بندہ احقر زیارتِ حرمین الشریفین کے لئے جا رہا ہے۔ دعا فرمائیے۔ بخیر و عافیت یہ سفر مقدس اختتام پذیر ہو۔ حضرت نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہ شیخ مخدوم شہر اللہ کے ہاتھ میں دیا اور فرمایا جاؤ! بخیر و عافیت پہنچو گے۔ لیکن سنو! جب بارگاہِ نبوی میں پہنچو تو میرا ہدیہ سلام بھی پیش کرنا۔ میں نے اگلے دن یہ خواب شیخ شہر اللہ کو سنایا اور اجازت مانگی تو شیخ نے فرطِ اشتیاق سے فرمایا "واللہ" میں آپ کو مرخص کرنے کے لئے تیار نہیں آپ یہاں کم از کم ایک ماہ تک قیام کریں گے۔



شیخ جمالی کہتے ہیں کہ حضرت مخدوم کا یہ ارشاد میں نے بسروہ چشم مانا۔ لیکن چونکہ شیخ الاسلام کی طرف سے رخصت بل چکی تھی اس لئے مجھے یہاں سے منتقل ہونا ہی پڑا۔ یہاں سے میں قطب الاقطاب کے آستانہ پر چلا گیا۔ یہاں بھی مخدوم شہر اللہ مجھ پر بے حد مہربان و ملتفت رہے اور یہاں آکر مجھ سے تبادلہ خیالات فرماتے رہے شیخ شہر اللہ کا انتقال بمطابق ۲۳ ذوالحجہ ۹۲۰ ھ میں ہوا۔ اور خاکِ ملتان ہی آپ کا مدفن بنی۔ رحمۃ اللہ علیہ



# حضرت دیوان چاولی مشائخ

تجھ پر شہید الفتِ داورِ سلام ہو      اے جانِ نثارِ دینِ پیغمبرِ سلام ہو  
تو نے قبولِ دینِ رسالت میں جان دی      اے کشتہِ حسامِ برادرِ سلام ہو

برسبیلِ ترے مزارِ پر رحمت کی بارشیں

اے آسمانِ عشق کے نیتِ سلام ہو

بزرگانِ ملتان میں سے حضرت دیوان چاولی کی ذاتِ گرامیؒ راہِ راست حضور  
علیہ السلام سے فیض یاب ہوئی۔ آپ کا طبعی رجحان آپ کو قبولِ اسلام کی طرف مائل  
کرتا رہتا۔ چنانچہ باطنی طور پر آپ کا دل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے انوار و تجلیات سے  
منور ہوا اور آپ درجہ ولایت کو پہنچے۔ آپ نے اسلام قبول کیا تو آپ کی ہمیشہ بھی  
حلقہٴ بگوشِ اسلام ہوئیں۔

بہن بھائی کے لقبِ قبولِ اسلام سے دیگر برادرانِ محنت برہم ہوئے اور ہر وقت  
اس موقع کی تلاش میں رہتے کہ آپ کو شہید کر دیا جائے۔ چنانچہ یہ ظالم اپنے عزائم  
کا میاب ہوئے مگر ندامت و پشیمانی نے قبولِ اسلام کی طرح مائل کیا۔ نتیجتاً سب کے



سب مسلمان ہو گئے

رانے چاولہ المعروف حضرت دیوان چاولی "ہندو راجہ ہسپال کے تحت جگر تھے۔ راجہ ہسپال کا مورث اعلیٰ رانے کلمن راجپوت قوم ڈھوڑھی کا سردار تھا۔ جو نواح کنگن پور میں حکومت کرتا تھا۔ موجودہ کنگن پور رانے چاولہ (حضرت دیوان چاولی) کی ہمیشہ کے نام سے آباد ہوا۔

آپ کی تاریخ وصال ۱۳۱ھ بتائی جاتی ہے۔ محمود غزنوی نے موضع چاولی شاخ تحصیل میلسی میں زر کثیر سے روضہ تعمیر کرایا اور چند دیہات مزار کے ساتھ وقف کر دیئے آپ اوائل اسلام کے اولیائے کرام میں سے ہیں۔ لہذا آپ کا مقبرہ بھی بہت قدیم عمارت سمجھا جاتا ہے۔ اس مقبرہ کی مرمت بہت سے سلاطین نے اپنے اپنے دور حکومت میں کرائی اور یہاں کی حاضری کا شرف بھی حاصل کرتے رہے۔ جہانگیر نے اپنے ہند میں اس کی مرمت کرائی۔ روضہ میں حضرت دیوان اور ان کی ہمیشہ کنگن برس کے مزار ہیں یوں تو آپ کا مزار اقدس زیارت گاہ۔ خاص و عام رہا ہے اور ہے مگر آپ کے مزار اقدس پر بڑے بڑے صاحب کمال بزرگان دین حاضر ہوتے رہے ہیں جن میں سے حضرت سلطان محمود غزنوی، حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر، پاکپتن شریف، حضرت شیر شاہ، حضرت سید جلال الدین بخاری، حضرت بہا، الحق زکریا عتائی، حضرت لال شہباز قلندر (حضرت خواجہ عثمان موندی) مشہور و معروف ہیں۔ رحمہم اللہ تعالیٰ



## تاج العارفین حضرت شاہ ابوبکر وراق

جن حضرات سے خاندان چشتیہ کے انوار و تجلیات اقصائے عالم میں ضیا پاش ہوئے ان میں حضرت خواجہ خواجگان معین الدین حسن چشتی و معجزی کا نام نامی آفتاب کی طرح روشن ہے۔ حضرت ابوبکر وراق بھی خاندان چشتیہ کے آفتاب و باہتاب تاباں ہیں۔ آپ حضرت معین الدین چشتی کے پیر بھائی اور حضرت خواجہ عثمان ہارونی کے خلفائے ہیں۔

اپنے پیر و مرشد سے صاحب ارشاد ہو کر تبلیغ و اشاعت دین میں لگ گئے اور شروع شروع میں اجمیر کے قریب ایک قصبہ میں جو تارا گڑھ کے نام سے موسوم ہے قیام کیا۔ آپ کا ایک ارادت کیش کفار کے ترغیب میں پھنس گیا۔ جس نے آپ کو اپنی ادا دیکھنے پکارا۔ حضرت ایک نیلے گھوڑے پر سوار ہوئے اور کفار کے ساتھ جہاد کے لئے چل کھڑے ہوئے۔ اس معرکہ حق و باطل میں آپ شہید ہو گئے۔ آپ میدان جنگ سے عجیب و غریب حالت میں نکلے۔ یعنی آپ کا سر میدان کارزار میں پڑا اور آپ گھوڑے پر سوار ہو کر ملتان کی طرف چل نکلے۔ ملتان کے قریب ایک قصبہ دہلو میں ایک ستم آدی بنام امام الدین کے مکان کے سامنے گھوڑا کھڑا ہو گیا۔ آپ کے دھڑے سے امام الدین امام الدین کی



آوازیں نکلیں تو امام الدین بابر آیا۔ اس نے گھوڑے پر صرف دھڑو دیکھا تو خائف دستاں ہو گیا۔ دھڑ سے آواز آئی۔ وروست! فلان جگہ سے ہمارا سراٹھالاؤ۔ مگر دیکھو! میدان کارزار میں شہداء کے سروں پر چراغ جلی رہے ہوں گے۔ اور جس سر پہ چار چراغ جلی رہے ہوں وہ ہمارا سر ہوگا۔ اُسے اٹھالانا اور اس خدمت کے صلہ میں اللہ تعالیٰ تمہیں اولادِ نرینہ سے نوازے گا۔ امام الدین نے آپ کے حکم کو بسر و چشم تسلیم کیا اور حضرت کے تصرفِ باطنی سے بہت جلد میدانِ جنگ سے سراٹھالایا اور پھر سر اور دھڑ کو اسی جگہ دفن کیا جہاں آپ کا گھوڑا آکر رکا تھا۔

بابا امام الدین باوجود اپنی شیخوخت اور ضعف و اضمحلالِ قویٰ کے صاحبِ اولادِ سوا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت کی دعا سے اُسے بہت سے لڑکے عطا فرمائے جن میں سے بعض حضرت کی مجاوری کے فرائض انجام دیتے رہے۔ حضرت ابوالمظفر بھی الدین محمد اورنگ زیب عالمگیر بادشاہِ ہندوستان کو آپ سے عقیدت تھی۔ اُس نے آپ کا مزار تعمیر کرایا۔

**آپ وراق کے لقب سے کیوں مشہور ہوئے** اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے مرشد آپ کو اپنے معمول کے مطابق ہر روز ایک ورق پر کچھ تحریر کر کے دے دیا کرتے تھے اور ہدایت فرما دیتے تھے کہ اس ورق کو دریا میں ڈال دینا جو ورق دریا سے ملے اُسے میرے ماں لے آنا۔ چنانچہ آپ معمول کے مطابق جاتے۔ ورق کو دریا میں ڈالتے۔ دریا سے ایک ہاتھ برآمد ہوتا جو آپ سے ورق لے لیتا اور دوسرا دے دیتا اس ورق کے دیکھنے کی آپ کو اجازت نہ تھی اس فرض کو ادا کرتے ہوئے ایک مدت گذر گئی۔ ایک دن مرشد نے آپ کو وراق کے نام سے پکارا۔ آپ اسی دن سے وراق کے نام سے مشہور ہو گئے۔

ریاضت و مجاہدہ کے دوران میں آپ کو حضرت خضر علیہ السلام کی زیارت کا انتہائی



شوق تھا۔ لیکن جب پیر طریقت نے اپنے فیضانِ نظر سے نوازا تو یہ خیال دل سے محو ہو گیا۔ آپ کئی سال تک عبادت و ریاضت میں مشغول رہے ایک دن ایک بزرگ حجرہ عبادت میں تشریف لائے اور حضرت درّاق سے پوچھا "تمہیں کسی چیز کی بوس ہے تو بتاؤ" حضرت درّاق نے کہا "پہلے دید خضر کیے مضطرب رہا ہوں۔ مگر اب یہ حالت ہے کہ وہ اضطراب و التہاب ختم ہو چکا ہے اور سوائے لقا و ربّانی اور دیدارِ الہی کے کوئی خواہش و بوس باقی نہیں رہی۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ میں خضر ہوں اگر میری زیارت کی بوس ہو تو پوری کر لو۔ لیکن یاد رکھو "اللہ بس! باقی بوس" اسی دن سے آپ نے ماسوا اللہ کا خیال دل سے لکھ کر نکال دیا۔

مزارِ اقدس لمان میں ہی ہے جس پر فیوض و برکات ربّانی کی بارش ہو رہی ہے  
عوام و خواص زیارت کے لئے آتے جلتے ہیں۔



## حضرت سید علی سرور

آپ کا مولد و جائے پیدائش نامعلوم ہے۔ اس قدر پتہ چلتا ہے کہ آپ ۴۰۰ھ میں خاکِ دہلی سے کہروڑ ملتان میں وارد ہوئے۔ دل میں بار بار زیارتِ حسین کا شوق اٹھا اور اس فرطِ اشتیاق میں آپ نے چھ بار مکہ معظمہ و مدینہ منورہ میں حاضری دی۔ آپ ایک ولی کامل تھے اور حضرت غوث الاعظم محی الدین ابو محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلیفہ حضرت لعل فرید رحمۃ اللہ علیہ سے فیض یافتہ تھے۔ ملتان میں فیوض و برکات کی دولتیں لٹانے کے بعد قصبہ کہروڑ میں جاگزیں ہو گئے اور اسی جگہ کچھ عرصہ بعد داعی اہل کوبلیک کہا۔ روضہ مبارک اسی قصبہ میں ہے۔ جو قابل دید ہے۔



## حضرت شاہ ارجن شیر بخاری

حضرت کا مولد اطراف بخارا میں ہے۔ آپ آٹھ سو سال قبل اپنے تین اور ساتھیوں کے ہمراہ جن کے نام حضرت ازانی شیر، حضرت شاہ صالح اور حضرت شاہ داد ہیں۔ سیر و سیاحت کرتے ہوئے سرائے سدھو ملتان تحصیل کبیر والا کے قریب ایک جنگل میں قیام پذیر ہوئے۔

سرائے سدھو کے باشندے ایک جن کے ہاتھوں سخت نالاں تھے۔ وہ اہل قصہ کو طرح طرح کی تکلیفیں دیتا تھا۔ کسی کا خرمن اٹھالے جاتا۔ کسی کا بچہ لے کر بھاگ جاتا۔ علی ہذا یقیناً اس دن کے باشندے بہت تنگ تھے۔ ایک دن وہی جن ایک عورت کا اکھوتا بیٹا لے کر غائب ہو گیا۔ وہ رونے پٹنے لگی۔ اس کی گریہ و زاری سے حضرت شاہ ارجن بخاری کا دل بھر آیا اور آپ ایک شیر زیاں پر سوار ہو کر ہاتھ میں سانپ کا تازیانہ پکڑ کر جن کے تعاقب میں نکلے اور اس سے نبرد آزما ہوئے۔ آپ جن سے چوبیس گھنٹے لڑتے رہے اور اسی حالت میں برج شہر میں داخل ہو گئے۔ سخت لڑائی کے بعد برج چھٹ گیا اور حضرت شاہ صاحب جن کو دھکیلتے ہوئے اس میں غائب ہو گئے۔



شہر کے باشندوں نے وہاں پختہ مزار بنوادیا اور بعد میں ایک عرصہ گزرنے کے بعد ایک سرانے بنوادی گئی۔ مرور زمانہ سے آپ کا مزار بروج کے گرنے سے دب گیا تو سرانے سدھو کے ایک جمہدار عبداللہ نامی نے اسکی مرمت کرائی اور ملازمت کو خیر باد کہہ کر مزار کی مجاوری اختیار کر لی۔

## حضرت شیخ احمد معشوقؒ

حضرت شیخ احمد معشوق رحمۃ اللہ علیہ ان خوش قسمت انسانوں میں سے ہیں جنہیں حضرت شیخ الاسلام بہار الحق والدین زکریا ملتانی سہروردی نے اپنی نظر کیا سا زاور فیض رسانی سے مرتبہ ولایت تک پہنچایا۔ اور روضانی مدارج طے کروانے کے بعد خرقہٴ خلافت بھی عطا فرمایا۔ چنانچہ آپ حضرت شیخ الاسلام کے خلفائے اچلے میں سے ہیں۔ وطن مالوت قندھار تھا۔ بدیں باعث آپ کو شیخ قندھاری بھی کہا جاتا ہے۔ بلا کے سے نوش تھے۔ شراب کے بغیر ایک لمحہ بھی گزارنا محال تھا۔ آپ کی اس عادتِ قبیحہ سے تنگ آکر آپ کے والد نے جو قندھار میں ایک ممتاز عالم تھے، آپ کو کچھ رقم دے کر گھر سے نکال دیا اور ساتھ ہی یہ بھی ہدایت کر دی کہ جاؤ اسی سرمایہ سے کسی دوسرے گاؤں میں قوتِ لایوت کمانے کیلئے دکان کھول لینا۔

چنانچہ آپ اپنے والد سے رخصت ہو کر قندھار سے ملتان پہنچے اور والد محترم کے دیئے ہوئے سرمایہ سے دکان کھول لی۔ اسے فضیلِ خدا سمجھتے یا حسن اتفاق شیخ صدیقین



عارف کی نظر ان پر اس حالت میں پڑی کہ آپ گاہکوں کو سودا سلف دے رہے تھے حضرت کے دل میں کھب گئے خانقاہ پہنچتے ہی انہیں بلا بھیجا۔ یہ گئے تو عزت و احترام سے اپنے پہلو میں بٹھایا۔ گرمیوں کا موسم تھا۔ حضرت شیخ صدر الدین عارف نے شربت منگا کر پیا اور ان کو بھی پلایا۔ شربت کے چند گھونٹ پینے کی دیر تھی کہ قلب جاری ہو گیا اور فوراً توبہ کر کے شیخ کے ارادت کیشوں میں داخل ہو گئے تمام متاع و دولت غریب و مساکین میں تقسیم کر دیا اور دنیا سے ترک تعلق کر کے فقر و درویشی کا راستہ اختیار کر لیا اور اس قدر یاد حق میں مشغول ہوئے کہ بارگاہ ربانی سے درجہ ولایت نصیب ہوا۔

ملفوظات حضرت شیخ نظام الدین اولیاء رضی اللہ عنہ  
وجہ تسمیہ معشوق | فوائد الفوائد میں مرقوم ہے کہ شیخ احمد آخری لمحات

میں اللہ تعالیٰ کی یاد میں اس قدر محو ہوئے کہ ظاہری آنکھیں بالکل بند رہیں۔ ایک دن موسم سرما میں صبح کے وقت سخت سرد پانی میں غسل کے لئے داخل ہوئے اور بڑی دیر تک جناب الہی میں الحاج وزاری کرنے کے بعد اٹھا اٹھائے اور عرض کی، "اے خداوند جہاں! تو بندوں کی اطاعت و بندگی سے بے نیاز ہے تو صرف اپنے فضل و کرم اور لطف عام سے بندوں کو عزت و عظمت بخشتا ہے۔ مجھے تیری محبت کی قسم جب تک تو مجھے میرے قرب و مرتبہ سے آگاہی نہ بخشے گا میں اس بیانی سے باہر نہ نکلاں گا یہاں تک کہ میری جان نکل جائے۔ اس پر ہاتھ غیب سے ندا آئی! اے شیخ احمد تیرا مرتبہ اتنا بلند و بالا ہے کہ روز محشر تمہارے تو سب سے لاکھوں انسانوں کو جنت الفردوس میں داخل کیا جائے گا۔ حضرت شیخ احمد نے عرض کی۔ اے مولا تعالیٰ! میں اس پر کفایت نہیں کر سکتا۔ فرمان پہنچا "ہم نے تمہیں اپنا محبوب و معشوق بنا لیا ہے تاکہ مساکین جاہ و حق کو ہمارا عاشق صادق بناؤ۔" حضرت یہ نوید و بشارت پا کر پانی سے باہر آئے اور تہ بند زیب تن کئے اپنے مکان کا راستہ لیا۔ راستہ میں ہر فرد کی زبان سے یہی نکلتا:



شیخ احمد معشوق آتا ہے۔ میں ابجدن سے آپ "احمد معشوق" کے لقب سے مشہور ہوئے  
 آپ پر جذبہ عشق و مستی اس قدر غالب و مستولی تھا کہ آپ دنیا اور اہل دنیا سے  
 مطلق بے خبر رہتے تھے۔ یہ حالت بے خودی اس قدر بڑھ گئی کہ فرانس کی ادائیگی کی  
 بھی خبر نہ رہتی تھی۔

علامہ و فضلاء نے حاضر خدمت ہو کر عرض کی کہ حضرت اس مستی و بے شعوری کی حالت  
 کو چھوڑیے اور نماز پبجگانہ ادا کیجئے۔ آپ نے فرمایا۔ مجھ میں نماز کی ادائیگی کی قدرت  
 نہیں۔ نماز کے دوران میں سورہ فاتحہ نہیں پڑھ سکتا۔ علماء وقت نے جواب دیا کہ سورہ  
 فاتحہ کے بغیر تو نماز ہی نہیں ہو سکتی۔ شیخ نے کہا "اَيَّاكَ نَعْبُدُ وَايَّاكَ نَسْتَعِينُ  
 کے الفاظ نہیں پڑھوں گا۔ انہوں نے کہا ان کے بغیر تو سورہ فاتحہ کی قرأت و تلاوت  
 نامکمل ہے اور نماز بھی نہیں ہو سکتی۔ اس گفتگو کے بعد جب لوگوں نے شیخ کو وضو کرانا  
 شروع کیا تو کئی مشکیزے پانی اٹھ لینے کے بعد بھی شیخ کے ہاتھ تر نہ ہو سکے۔ علماء نے  
 شیخ کو دریا میں غوطہ دیا۔ دریا کے پانی نے اس قدر خوش کھایا جس طرح دیگ میں پانی  
 اُٹتا ہے۔ وضو ہو چکا تو شیخ نے نماز کا آغاز کیا۔ اَيَّاكَ نَعْبُدُ وَايَّاكَ نَسْتَعِينُ  
 کے الفاظ زبان پر لانا تھے کہ جسم کے ایک ایک روئیں سے قطراتِ خون ٹپکنے لگے۔ اور  
 آپ کا لباس خون سے لت پت ہو گیا۔ فوراً نماز توڑ دی اور علما کی طرف ملتفت ہوتے  
 ہوئے فرمایا: صاحبو! میری حالت زنِ حالۃ کی طرح ہے جسے نماز معاف ہوتی ہے  
 لہذا مجھ سے بھی درگزر کرو۔

آپ نے تقریباً ۷۲۳ ھ میں اس دار فانی کو خیر باد کہا اور ملتان ہی میں مدفون

ہیں۔



## شیخ خالد بن ولیدؓ

ان کی زندگی کے مفصل حالات پردہِ اخفا میں ہیں۔ باوجود سعی و کوشش کے تفصیلی حالات دستیاب نہیں ہو سکے۔ صرف اس قدر معلوم ہے کہ آپ قریشی نسل میں اور یمین الدولہ حضرت سلطان محمود غزنوی کے زمانہ میں ۴۰۶ھ کے قریب طمان آئے۔ آپ ایک صاحبِ کرامت بزرگ تھے۔ آپ کی کرامتیں مختلف روایتوں کے ذریعے لوگوں تک پہنچی ہیں۔ کہتے ہیں چند شتربانوں نے آپ سے گستاخانہ سلوک کیا آپ نے ان کے حق میں بددعا کی۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ان کی اونٹنیوں کے دودھ سے مکھن نکلنا بند ہو گیا۔ آپ کے مزار میں لگے ہوئے ایک حجرِ ابيض سے لوگ یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ یہ اونٹنیوں کا مکھن تھا جو حضرت کی کرامت سے پتھر بن گیا۔ مزید برآں اس میں سے وقتاً فوقتاً مکھن کا قطر نکلتا ہے اور جس دن آخری قطرہ نکلے گا اُس دن قیامت برپا ہو جائے گی۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

آپ کا مزار موضعِ خطی چوہدری (کبیر والا) میں ہے جو چودھویں صدی عیسوی کے فن تعمیر کا نمونہ ہے۔ شہاب الدین شاہ جہان نے مرمت کرا کے ایک سرائے بھی



تعمیر کروادی۔ اب روضہ کی عمارت مرد زمانہ سے خستہ ہو چکی ہے لیکن آپ کی شانِ عظمت و جلالت بعینہ قائم ہے اور اکثر زائرین پر روضہ کی زیارت کے وقت خاص قسم کی شہیت و رعب طاری ہو جاتے ہیں۔

## حضرت خواجہ حسن افغانؒ

آپ بھی شیخ الاسلام حضرت بہاء الحق زکریا ملتانیؒ کے فیض یافتہ بزرگوں میں سے تھے آپ حضرت کے مقبول ترین خلفاء میں سے تھے اور ذوق و شوقِ عبادت میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔

صاحبِ مخزنِ افغانی کے بقول آپ سید تھے۔ اُس نے آپ کا نسب نامہ تدریجاً ذیل بیان کیا ہے۔ سید حسن المعروف خوندی بن ابو محمد بن سید علی بن سید جعفر بن موسیٰ بن ابراہیم اصغر بن موسیٰ کاظم بن جعفر صادق بن محمد باقر بن زین العابدین بن حسین بن علی بن ابی طالب رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین۔

آپ علوم ظاہری سے بالکل نابالغ تھے لیکن علوم باطنی میں ایسے کامل تھے گویا تمام علم لوح محفوظ آپ کے سینہ اقدس پر نقش تھا۔ اکثر لوگ آزمائش کے طور پر چند سطور جن کے الفاظ قرآن و حدیث اور اقوالِ شایخ سے ماخوذ ہوتے، کاغذ پر لکھ کر رکھ لیا کرتے تھے لیکن آپ کی موعانہ فراست فوراً قرآنی اور غیر قرآنی الفاظ میں تفریق کر دیتی



جب لوگ پوچھتے آپ اُمی ہونے کے باوجود ایسا کیونکر کر لیتے ہیں تو فرماتے: اس کے سوا اور کوئی شناخت کی وجہ نہیں ہے کہ قرآن کی عبارت دیکھ کر مجھے ایک ایسا نور نظر آتا ہے جو لامکان کو محیط کئے ہوئے ہوتا ہے۔ اور حدیث شریف کے الفاظ کے انوار و تجلیات آسمان ہفتم تک نظر آتے ہیں اور بزرگان دین کے اقوال کے انوار تانک قمر دیکھتا ہوں۔

آپ حضرت بہار الحق والدین ذکر یا سہروردی ملتان کے محبوب و مخلص ارادت کیش تھے آپ ان کے اخلاص، لہیت اور محبت خلق اللہ کے پیش نظر فرمایا کرتے تھے اگر اللہ تعالیٰ مجھے پوچھیں گے کہ ہماری درگاہ میں کیا لایا ہے؟ تو میں عرض کروں گا کہ حسن افغان کے اشغال و عیارات حضرت محبوب الہی خواجہ نظام الدین اولیا کو آپ کی عظمت و رفعت کا اعتراف تھا۔ آپ فرماتے تھے کہ حضرت حسن افغان ایک با عظمت جلالت بزرگ تھے۔

ذرا بیت ہے کہ آپ نے ایک دفعہ ملتان سے عزم سفر دہلی کیا۔ راستہ میں ایک مسجد کی تاسیس کر رہے تھے۔ علماء و فقہا کی ایک جماعت کثیر نے قبلہ کی صحت پر اعتراض کیا۔ آپ نے ایک طرف کھڑے ہو کر فرمایا: قبلہ اسی طرف ہے۔ علماء دوبارہ معترض ہوئے تو آپ نے اپنی انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: اگر میری بات پر اعتبار نہیں تو دیکھو قبلہ اس طرف ہے جو نہی لوگوں نے اس طرف دیکھا تو زیارت بیت اللہ سے مشرف ہوئے اور فوراً اختلاف سمت قبلہ دور ہو گیا۔

ایک دن آپ کسی گلی سے گزر رہے تھے مغرب کا وقت ہو گیا تو قریب ہی ایک مسجد تھی اس میں چلے گئے۔ کچھ نے تجسیر کہی تو امام صاحب جماعت کرانے کے لئے آگے بڑھے خواجہ حسن افغان بھی امام صاحب کے مقدی کی حیثیت سے نماز ادا کی۔ نماز ہو چکی تو خواجہ حسن نے امام صاحب سے مخاطب فرماتے ہوئے کہا: اے خواجہ آپ نے نماز پڑھائی اور



عین نماز میں آپ دہلی سے بنگال تشریف لے گئے اور وہاں سے غلام و بردے خرید کر واپس آ گئے۔ انہی غلاموں کو پیش قیمت پر بیچنے کے لئے عرب روانہ ہو گئے اور آپ کی نگرانی میں مجھے خواہ مخواہ مارا مارا پھرنا پڑا۔ فرمایا: یہ کون سی نماز ہے اور اسے کس نام سے موسوم کریں۔ "امام صاحب سن کر بہت حیران و مجمل ہوئے۔ آپ نے ولایت کے مرتبہ جلیلہ پر فائز ہوتے ہی سلسلہ رشد و ہدایت کا آغاز کیا اور اپنے مرشد حقیقی سے اجازت لے کر غور غشیتوں کی اصلاح و ہدایت کیلئے چلے گئے۔ آخر یہ ماہتاب ولایت ۶۸۹ھ میں غروب ہو گیا۔ مزار مقدس حضرت شیخ الاسلام کے روضہ کے پائیں میں واقع ہے۔



## بی بی راستی رحمۃ اللہ علیہا

بی بی راستی رحمۃ اللہ علیہا ان خوشبخت عورتوں میں ہیں جنہیں درجہ ولایت ملا  
 دوسرا شرف جو آپ کو ممتاز کرتا ہے یہ ہے کہ آپ کے خسر ولی تھے اور بیٹا ولی  
 تھا۔ آپ کے والد کا نام سلطان جمال الدین فرغانی تھا۔ آپ والد کی معیت میں ملتان  
 آئیں۔ سلطان جمال الدین فرغانی حضرت بہاء الحق زکریا ملتانی کے مخلص اراد مندوں  
 میں سے تھے۔ حضرت شیخ الاسلام نے ان سے یہ خیال ظاہر کیا کہ وہ اپنے بیٹے صدر الدین  
 عارف کا نکاح بی بی راستی سے کرنے کے متمنی ہیں۔ سلطان جمال الدین فرغانی نے بسبب  
 اس تجویز کو قبول کیا۔ چنانچہ حضرت شیخ الاسلام نے اپنے بیٹے صدر الدین عارف کا عقد  
 حضرت بی بی راستی سے کر دیا اور عصمت مآب اور پاکدامن کا خطاب مرحمت فرمایا۔  
 آپ اپنے زہد و اتقا، نیکی و پارسائی پر ہمیزگاری و طہارت، ورع و عبادت میں  
 یکتائے روزگار تھیں۔ قرآن پاک زبانی یاد تھا۔ ہر روز کلام پاک ختم کرتیں۔ عورتوں میں  
 سلسلہ سہروردیہ میں آپ ایک بلند مرتبہ ولیہ گذری ہیں۔ آپ اپنے خسر حضرت بہاء الحق  
 والدین زکریا ملتانی کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئیں۔ عملی زندگی میں



کابل واکمل تھی کہ آپ کو دیکھ کر محل کی تمام عاؤنوں نے نماز پنجگانہ ادا کرنا شروع کر دی۔  
اور سب کی سب پابندِ صوم و صلوة ہو گئیں۔

رب العزت نے آپ کو شیخ ابوالفتح رکن الدین عالم الیہا جلیل القدر بیاعطا فرمایا  
جس کی تعلیم و تربیت میں آپ نے نہایت حرم و احتیاط سے کام لیا۔ ہمیشہ با وضو ہو کر دودھ  
پلاتی تھیں اور عام عورتوں کی روش سے ہٹ کر دودھ پلاتے وقت لوری دینے کی بجائے  
قرآن پاک کی تلاوت کیا کرتی تھیں۔ آپ نے ۶۹۵ھ میں وفات پائی۔ مزار مبارک شہر  
کے ریوے سٹیشن کے جنوب کی طرف قبرستان بی بی پاکدامن میں ہے۔ لفظ محذومہ  
۶۹۵ھ سے تاریخ وصال برآمد ہوتی ہے۔

## حضرت مہر شکوٹ

آپ کا سلسلہ نسب حضرت سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا ہے۔ نام سید  
زین العابدین ہے۔ سلسلہ ارادت حضرت شیخ شہاب الدین ابو حفص عمر سہروردی سے ملتا ہے  
آپ پر حضور غوث الثقلین کی براہ راست نظر عنایت بھی ہوئی۔ زہد و ورع میں یکساں تھے۔  
اپنے پیر طریقت کے اشارے پر اپنے وطن مالوٹ بنجار سے آکر موضع شکوٹ جو  
اصل سے کوٹ (یعنی تین بستیاں تھیں) میں سکونت پذیر ہوئے۔ آپ نے اسی قصبہ میں  
دولت علم و عرفان لٹاتے ہوئے وفات پائی۔ آپ کے مزار کے گرد و نواح میں تین قدیم بستیوں  
کا پتہ چلتا ہے۔ انہیں یہی وہ تین بستیاں تھیں جو سے کوٹ کے نام سے مشہور تھیں۔



## حضرت پیر عمر سہروردیؒ

آپ عین عالم شباب میں سندھ سے ملتان آئے۔ یہاں شیخ الاسلام حضرت بہادر الحق زکریا ملتانیؒ کے ارادت مندوں میں داخل ہوئے۔ حضرت کی ایک نگاہ کیمیا اثر نے تمام مدارج و مراتب روحانی طے کرادیئے۔ عمر کے آخری ایام میں آپ کے پاس ایک نواب کی بیگم اس ارادہ سے آئیں کہ آپ کی دُعا و مستجاب سے میاں بیوی میں محبت و الفت کا رشتہ استوار ہو جائے۔ آپ نے ایک خذف ریزہ اٹھایا اور اس پر مندرجہ ذیل الفاظ تحریر فرمائے "اگر نواب اپنی بیگم سے محبت کرے تو عمر کو کیا؟ اور اگر نہ کرے تو کیا؟" بعد ازاں نواب کی بیوی کو ہدایت فرمائی کہ وہ خذف ریزے کو اپنے پاس ہی رکھے۔ اس خذف ریزہ کی برکت سے نواب نے اپنی بیوی سے محبت کرنی شروع کر دی۔ بیگم نے تھک سانس گزاری کے لئے اشرقیوں سے بھری ہوئی ایک ہمیانی خدمتِ اقدس میں لاکر پیش کی۔ آپ نے دانستہ طور پر ایک اشرقی اٹھا کر منہ میں ڈال لی۔ بیگم بول اٹھی۔ سرکار! یہ کھانے کی چیز نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا "اگر کھانے کی چیز نہیں تھی تو پھر تم لائی کیوں؟" آپ نے یہ اشرقیوں کو واپس کر دیں اور قیر کے لئے ایک قطعہ ارضی طلب کیا۔



اس خاتون نے آپ کو حضرت شیخ عارفؒ کے محلوں کی شرقی جانب ایک کٹادہ  
 قطعہ اراضی نذر کر دیا۔ ارتحال کے بعد آپ اسی جگہ مدفون ہوئے۔ ہوتے ہوتے  
 یہ قطعہ اراضی ایک قبرستان کی صورت اختیار کر گیا۔ جو ان دنوں "گورستان" کے  
 نام سے مشہور ہے۔

## شاہ وانا شہید

آپ کو شاہ شہید کہہ کر پکلا جاتا ہے۔ آپ صاحب کشف و کرامت بزرگ  
 تھے۔ آپ کا باطن حضرت غوث بہاء الحق زکریا ملتانیؒ کے رنگ میں رنگا ہوا تھا اور ظاہر  
 میں حضرت فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کے انوار تابناک تھے۔ نور احمد خاں فریدی  
 کے بقول آپ حضرت شیخ الاسلام بہاء الحق زکریا کے جان نثار خدام میں سے تھے۔  
 آپ بھی ان کی پرورش اور دیکھ بھال اپنی اولاد سے زیادہ کیا کرتے تھے۔ حضرت شیخ الاسلام  
 کو ان پر حد درجہ اعتماد تھا۔ چنانچہ آپ کی وفات کے بعد یہ حضرت ہمدرد الدین عارفؒ  
 کے معتمد خاص کی حیثیت سے کام کرتے رہے اور شیخ عارفؒ ہی کے عین حیات  
 میں وفات پائی۔ ملتان میں ہی تکفین ہوئی۔ مزار وہلی دروازہ ملتان کے اندر  
 ہے۔ رحمتہ اللہ علیہ :



## خواجہ اویس کھٹک

ان کا نام شیخ جلال الدین ہے۔ آپ حضرت شیخ الاسلام رکن الدین عالم کے  
 زمانہ میں عرب سے ہندوستان آئے اور ملتان میں سکونت پذیر ہوئے۔ تمام عمر خدمت  
 خلق اور استر فناء حق میں گذاری۔ آخر ۷۰۰ھ کو ان کی روح جنت الفردوس کے  
 نورانی جھولوں میں جھولنے لگی اور حسین اظہر خاک ملتان کا پیوند بنا۔ بستی دارہ ملتان کو  
 آپ کے مدفن بننے کا شرف حاصل ہے۔ مقبرہ کی اساس و بنیاد حضرت رکن الدین  
 ابو الفتح نے اپنے ہاتھ سے رکھی۔



## حضرت عبدالرشید حقانی

جن بزرگوں کے وجودِ مسعود سے خاندان و سلسلہ عالیہ قادریہ کی عظمت و جلالت  
 پُرھی۔ حضرت عبدالرشید حقانی ان میں سے ایک ہیں۔ رشتہ کے لحاظ سے آپ  
 حضرت بہار الحق زکریا سہروردی ملتانی کے چچا زاد بھائی ہیں۔ اور میراں سید علی کے  
 خلفاء میں سے ہیں۔ ایک مدت اپنے پیر طریقت کی خدمت میں رہے اور خرقہ  
 خلافت حاصل کرنے کے بعد ملتان میں مشرقی جانب آکر اقامت گزری ہوئے۔  
 آپ نے چار شادیاں کیں۔ پہلی شادی حضرت غوث بہار الحق زکریا ملتانی کی ہم شیرہ سے  
 ہوئی۔ دوسری شادی شاہ تغلق کی لڑکی سے ہوئی۔ کہتے ہیں شاہ تغلق کو ماحضر  
 تناول کرتے ہوئے اس میں کرم نظر آتے تھے حضرت کی نظر کرم سے اس مصیبت سے  
 نجات ملی اور بادشاہ نے عقیدت و محبت کی بنا پر اپنی لڑکی کا آپ سے نکاح کر دیا۔  
 تیسری شادی رائے لونا کی لڑکی سے ہوئی اور چوتھی شادی قوم ٹرل کی ایک خاتون  
 سے ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اولادِ ترینہ سے نوازا۔ چار بیٹے عطا کئے اور چاروں کے  
 چاروں ہی مرتبہ ولایت پر فائز ہوئے۔ ان کے نام ترتیب وار یہ ہیں۔ مخدوم ابوبکر



مخدوم محمد، مخدوم حسن اور مخدوم ایوب شاہ صدیق قاتل۔

حضرت رشید حقانی نے ۶۶۹ ھ میں وصال فرمایا اور موضع مخدوم رشید تحصیل  
ملتان میں سپرد خاک ہوئے موضع مخدوم رشید میں آپ نے رفاہ عامہ کے کئی کام  
کئے۔ آپ کا کنواں بہت مشہور ہے کہتے ہیں جو شخص اس کنویں سے پانی پیتا  
ہے جملہ امراض سے شفا یاب ہو جاتا ہے۔ آپ کا روضہ ایک قابل دید عمارت ہے۔

## حضرت سلطان ایوب قاتل

آپ مخدوم عبدالرشید حقانی کے پوتے ہیں۔ آپ کو دادا نے حکم دیا کہ وہ بیڑ بکریاں  
چرایا کریں جو سنت اویبار و انبیاء ہے۔ آپ کئی سال تک دادا کے ارشاد کی تکمیل کرتے رہے  
اسی عالم میں حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقی ہوئے۔ خضر علیہ السلام نے انہیں اپنی توجہ سے  
صاحب کشف و کرامات بنا دیا۔ آپ نے ۷۶۶ ھ میں وصال فرمایا اور دنیا پور میں  
سرکاری جنگل کے نزدیک آپ کو دفن کیا گیا۔ وہیں آپ کا مزار ہے۔



## حضرت شاہ حسین آگاہی

آپ اپنے زمانے کے صاحبِ کمال و جمال بزرگ تھے، باطن اس قدر منور و تاباں تھا کہ آپ ہر کام کے حُسن و قبح سے قبل از وقت آگاہ ہو جاتے تھے۔ اسی وجہ سے آپ حسین آگاہی کے نام سے مشہور ہوئے۔ بیشتر لوگ اپنے کاروبار شروع کرنے سے پہلے آپ سے نفع و نقصان کے متعلق استخبار کیا کرتے تھے اور آپ بذریعہ استخارہ ان کی رہنمائی فرماتے تھے۔ ملتان میں جس بازار کا نام "حسین آگاہی" ہے اس میں آپ کا مزار اقدس ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ

## حضرت پیر بر شاہ

آپ حضرت شیخ الاسلام بہار الحق زکریا ملتانی کے فیض یافتہ ہیں۔ آپ ملتان میں جلال الدین فیروز کی صوبیداری کے زمانہ میں وارد ہوئے۔ حضرت ملتانی کے چشمہٴ وحیہ



سے سیراب ہو کر زہد و ریاضت میں مشغول رہے اور ۶۲۲ھ میں انتقال فرمایا۔  
 آپ ایک مختصر سے مگر خوش ناما گنبد جو حضرت شیخ الاسلام غوث ملتانی اور  
 حضرت رکن الدین ابوالفتح کے مزارات کے درمیان واقع ہے۔ میں مدفون ہیں چونکہ  
 آپ دو بزرگوں کے دائیں یائیں پہلو میں آسودہ ہیں اسی وجہ سے آپ کو پیر در پیر شاہ  
 کے وصفی نام سے پکارا جاتا ہے۔ آپ کا اصل نام نامعلوم ہے۔ آپ کے مزار کی شمالی سمت  
 مندرجہ ذیل شعر نہایت خوشخط لکھا ہوا ہے۔

روئے پا کاں ہس کہ بیند صبح و شام  
 آتش دوزخ بود بر دے حرام !

## شیخ حسین کاہ بر

ان کو حضرت شیخ بہاء الحق والدین زکریا ملتانی کا ہم عصر ہونے کا شرف حاصل  
 ہے سکروستی کی حالت طاری ہونے سے پہلے گھاس کھود کر نان و نفقہ کا سامان ک  
 کرتے تھے جب جذب وستی کی حالت طاری ہوئی تو شراب خانہ میں ڈیرا جمایا۔  
 کہتے ہیں ایک دن حضرت شیخ الاسلام ملتانی ان کے پاس خرابات میں جا بیٹھے  
 شیخ حسین نے آپ کو پیالہ پیش کیا۔ حضرت شیخ الاسلام نے ادباً اپنے گم بیان پر  
 اٹ لیا اور گھرا کر پیرہن اتار دیا۔ خادمہ کو حکم دیا کہ اسے دھو دیا جائے۔ خادمہ نے



داغ دھونے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکی۔ آخر اس مقام کو چوس لیا۔ خادمہ نے ایسا کیا تھا کہ انشراح صدر ہو گیا اور وہ عارفہ زماں بن گئی۔ اس کی اکثر باتوں میں تقدیر کا رنگ جھلکتا نظر آتا تھا۔ شیخ حسین نے ملتان ٹھی میں انتقال کیا اور یہیں آپ کی خواب گاہ ہے۔

## حضرت شاہ علی محمدؒ

ان کا نام شاہ علی محمد اور لقب شیر شاہ ہے۔ دسویں صدی ہجری کے عین وسط میں اپنے وطن مالوت مشہد مقدس سے ملتان آئے اور سلسلہ ابراہت اورچ شریف کے آستانہ سے قائم کیا۔ حضرت محمد غوث بندگی گیلانیؒ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور ارشادِ مرشد کے مطابق دریا کے کنارے تقریباً بارہ سال تک ریاضت و مجاہدہ کرتے رہے جس مقام پر حضرت نے چلہ کشی کی وہ اب تک چاہ چلہ والا کے نام سے مشہور چلا آتا ہے۔

آپ سے بہت سی خوارق و کرامات کا ظہور ہوا۔ ان بے شمار کرامتوں کے ظہور سے لاکھوں انسان آپ کے حلقہ ارادت میں شامل ہوئے۔ خلقِ خدا کی خدمت کا خون تھا۔ غربا و مساکین کی خدمت کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ہر رات معمول کے مطابق چالیس فیروں کے پاؤں دباتے تھے۔ ایک رات اتفاق سے چالیس میں سے ایک



فقیر کم ملا۔ آپ نے اپنے معمول و عادت کی تکمیل میں ایک کتے کے پاؤں دبانے شروع کر دیئے۔ فراغت کے بعد اپنی رہائش پر آئے تو اسی شب ایک شخص غیب سے نمودار ہوا۔ جس کے ہاتھ میں چادروں کی ایک رکابی اور پانی کا ایک برتن تھا۔ دونوں چیزیں پیش کرنے کے بعد اس نے آپ کو یہ خوش خبری دی کہ آپ کا چلہ بارگاہ ربانی میں شرف قبولیت حاصل کر چکا ہے اور یہ مشروب و ماکول بہشت بریں سے لایا ہوں۔ اسے کھالیجئے۔ حضرت شاہ علی محمد نے تبرکاً اس میں سے چند لقمے لئے اور کھا کر سجدہ شکر ادا کیا اس کے بعد آپ کو کچھ رقم پیش کی گئی۔ آپ نے فرمایا۔ مجھے ہوس مالی و زر دُنیا نہیں ہے۔ جب وہ مرد غیب زیادہ اصرار کرنے لگے۔ آپ نے پندرہ روپے اٹھائے۔ پھر وہ شخص یہ کہہ کر غائب ہو گیا کہ آپ کی بقا نسل تک یہ روزینہ ملتا رہے گا۔

روحانی و دینی دولت کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اولاد کی دولت سے بھی سرفراز فرمایا۔ آپ کے چھ فرزندوں میں سے صرف شاہ شیر محمد صاحب اولاد ہوئے۔ مقبرہ دریائے چناب کے کنارے بمقام شیر شاہ واقع ہے۔ دریا میں طغیانی کے باعث مقبرہ گزر گیا تو آپ کے تابوت کو چاہ شریفیاں والا لاکر دفن کیا گیا۔ دوبارہ تدفین کے وقت بیشتر لوگوں نے آپ کی زیارت کی۔ نعل مبارک بالکل صحیح و سالم تھی۔



## حضرت سید موسیٰ پاک شہیدؒ

اصل نام سید ابوالحسن ہے لیکن دنیائے علم و عرفان میں سید موسیٰ پاک شہید کے اسم گرامی سے معروف ہیں۔ آپ دسویں صدی ہجری کے وسط میں شہر معرفت ادب شریفین میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد حضرت سید حامد گنج بخش گیلانی ادبی تبحر علم و فضل اور استرخار حق میں یگانہ روزگار تھے۔ حضرت موسیٰ پاک شہید کے مورث اعلیٰ حضرت شیخ محمد غوث جیلانی جو حضرت غوث الاعظم کی اولاد ہیں۔ ولایت روم سے خراسان کے راستے ادب شریفین میں اقامت گزیرے ہوئے آپ کے مجدد و مشرف زہد و اتقاد کشف و کرامت اور فیضانِ وحانی کا شہرہ دور دور تک پھیل گیا۔

حضرت سید موسیٰ پاک شہید کو قدرت نے بہت ہی اعلیٰ جہلی صفات سے سرفراز فرمایا تھا۔ چنانچہ آپ نے تمام علوم متداولہ اور قرآن و حدیث میں بچپن ہی میں نہایت قلیل عرصہ میں بہارت تامہ حاصل کر لی تھی۔ بعد ازاں علم باطنی میں بھی کمال پیدا کیا۔

باپ نے جب دیکھا کہ ان کے نور نظر ظاہری و باطنی تعلیم سے خوب آراستہ و پیراستہ ہو گئے ہیں تو حضرت کو جمال الدین ابوالحسنؒ کے خطاب سے نوازا۔ آپ کے والد کو آپ سے اس قدر محبت و الفت تھی کہ آپ نے اپنے حین حیات میں ہی



ان کو اپنے مندر مصطفیٰ کا وارث بنا دیا۔ آپ کے بڑے بھائی نے سجادہ نشینی کے لئے ہاتھ پاؤں مارے لیکن فیصلہ آپ کے حق میں ہی ہوا۔

آپ کی صحبت میں وقت کے بڑے بڑے علماء و فضلاء اور عرفا بیٹھا کرتے تھے اور آپ بڑے بڑے نکات اور ادق مسائل بڑے لطیف انداز میں حل فرمایا کرتے تھے جن بزرگوں نے آپ کے دستِ حق پرست بیعت کی ان میں سے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا اسم گرامی قابل ذکر ہے۔

حضرت موسیٰ پاک شہید کو حضورِ نبوتِ پاکؐ سے خاص الوقت و عقیدت تھی ہر وقت ان کی یاد میں ہرز جیاں رہتی۔ آپ کو کئی مرتبہ بحالتِ خواب و بیداری حضورِ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت باسعادت نصیب ہوئی۔

آپ کا دور بڑا پرقتن دور تھا۔ ہر طرف بے چینی پھیلی ہوئی تھی۔ ملک میں طوائف الملوک کا دور دورا تھا۔ قزاق و رہرن ملک میں تباہی مچا رہے تھے۔ انہی

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی حضرت شیخ سیف الدین کے فرزند ارجمند تھے۔ آپ ماہِ محرم ۹۵۸ ھ بمطابق ۱۵۵۱ء میں بنگالہ دہلی متولد ہوئے۔ ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت و خیالات کی نشوونما میں ان کے والد بزرگوار کا خاص حصہ ہے (شیخ کے والد حضرت شیخ امان اللہ پانی پتی کے ربیب تھے) شیخ نے عربی میں کامل دستگاہِ علم کلام میں کئی مہارت اور منطق پر کامل عبور حاصل کیا۔ عمر بھر ان کے ایک ہاتھ میں جامِ شریعت اور دوسرے ہاتھ میں سندانِ عشق رہا۔ شیخ کو شائع کلام کی صحبت میں بیٹھنے اور روحانی و علمی فیضان سے بہرہ ور ہونے کا بہت شوق تھا چنانچہ آپ نے اپنے روحانی ذوق و شوق کی تکمیل کے لئے حضرت موسیٰ پاک شہیدؒ کا دامنِ تقا حضرت موسیٰ پاک شہید کو حضرت شیخ پر بہت فخر تھا۔ شیخ محدث دہلوی نے ۹۰ سال کی عمر میں ۱۰۵۲ ھ میں وفات پائی۔ (رحمتہ اللہ علیہ)



قزاقوں کے ایک گروہ نے حضرت موسیٰ پاک شہید کے ارادت کیشوں کی بستی پر حملہ کر دیا۔ آپ کو پتہ چلا تو اپنے انتقال کی پیشین گوئی کر دی اور ان قزاقوں اور راہزنیوں کی گوشامی کے لئے بنفس نفیس روانہ ہوئے۔ آپ کے آنے کی خبر پا کر قزاق بھاگ گئے لیکن ایک بد فطرت و بد نہاد آدمی جو قوم لشکھ سے تعلق رکھتا تھا نے حضرت کے پہلو میں پیرمازا جو جان ستان ثابت ہوا۔ چنانچہ آپ ۵۸ سال کی عمر میں ۲۳ شعبان ۱۰۱۰ ھ میں شہید ہو گئے۔ اور والد صاحب کے قدموں میں برزخی زندگی کے لئے جگہ ملی۔ لیکن ان کی اولاد کو بجاالت خواب یہ اشارہ ہوا کہ تم نے قطب ارشاد کو میرے قدموں میں دفن کر دیا ہے اور تمہارے اس عمل سے مجھے سخت تکلیف پہنچی ہے۔ یہ اشارہ پلتے رہی آپ کو آپ کے صاحبزادے نے ملتان کے قریب موضع منگے میں سپرد خاک کیا اور خود ملتان میں ہی اقامت گزیر رہے۔ اس واقعہ کے پندرہ سولہ سال بعد آپ کے ایک صاحبزادہ سید حامد گنج بخش نے آپ کا تابوت دوبارہ ملتان منتقل کر دیا۔ اتنا عرصہ گزرنے کے بعد آپ کی نعش صحیح و سالم پائی گئی

سُبْحَانَ اللَّهِ

آپ کی اولاد پاک سے سید حامد گنج بخش کو مندر ارشاد ملی۔ دیگر تین صاحبزادگان بھی بہت بڑے اہل اللہ تھے۔ ان کے نام سید بیچی نواب ملتان، سید عیسیٰ اور سید جان محمد ہیں۔ ان میں دو کے مزارات یا ترتیب پاک دروازہ اور حرم دروازہ کے متصل ہیں۔ لیکن سید جان محمد کا مزار دہلی میں ہے۔ حضرت موسیٰ پاک شہید کا مزار مقدس پاک دروازہ ملتان کے اندر واقع ہے جو آپ کے نام سے ہی معروف ہے۔



## حضرت سلطان احمد قتال

ادب شریف کا مقام اہل علم و عرفان کی موجودگی کے باعث اہل نظر کی نگاہوں میں خاص احترام رکھتا ہے۔ یہاں بڑے بڑے عرفاً اور اولیاء اللہ جلوہ آرا ہوئے بھرت حضرت سلطان احمد قتال رحمۃ اللہ علیہ کا مولد بھی یہی قصبہ ہے۔ آپ کی ولادت سوئیں صدی ہجری کے وسط میں ہوئی۔ آپ کے والد محترم کا اسم گرامی سید علم الدین شاہ ہے جو حضرت سید جلال حسنی اوجیری کی اولاد میں سے ہیں۔ حضرت سلطان احمد قتال شکم مادر سے ہی ولی پیدا ہوئے اور بچپن سے ہی صاحب کرامت ہوئے ان کے زمانہ طفولیت میں درگاہ کے خدام نے آپ کو بطور تادیب ایک ملا پنجر مار دیا۔ قدرتِ خدا سے اس کا وہ ہاتھ جس سے اُس نے حضرت کو ناروا تھا سوکھ گیا۔

جوان ہوئے تو مختلف فقرات کی صحبتوں میں رہنے لگے اور منازل سلوک طے کرتے رہے۔ اکیس سال کی عمر میں آپ نے باقاعدہ حضرت علی سرور سے بیعت کی اور انہیں کے ہاں وقت گزارتے رہے۔

روایت ہے کہ ایک دفعہ آپ اپنے قطب ارشاد کے پاس اس وقت بیٹھے



تھے جب وہ آرام فرما رہے تھے۔ اس عالم میں کچھ چڑیاں آکر شور مچانے لگیں۔ آپ کو چڑیوں کی چوٹی چوٹی اس لئے بری لگی کہ وہ پیر طریقت کے اہام میں نخل ہو رہی تھیں چنانچہ آپ نے چڑیوں سے کہا اچڑو مر جاؤ۔ یہ کہنا ہی تھا کہ سب چڑیاں مر گئیں۔ حضرت کے مُرشد بیدار ہوئے تو چڑیوں کو بجا بجا مریا یا اور حضرت سلطان احمد کو قاتل کہہ کر مخاطب کیا۔ بس اسی روز سے آپ قاتل کے لقب سے مشہور ہوئے آپ نے اپنے پیر طریقت کی معیت میں کئی بار حج بیت اللہ کا شرف حاصل کیا اور بغداد کر بلئے معنی و بخارا سے ہوتے ہوئے عمان واپس آئے۔

حضرت شیخ ابو الفتح دکن عالم کے مزار مقدس پر کبھی چلے گئے اور بعد ازاں گم گشتگان راہ کو صراطِ مستقیم دکھائی۔ نبلی بار کے جنگلی جو لکھویرہ اور سلڈیرہ قوم سے تعلق رکھتے تھے آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔

پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ آپ ماورِ زاد ولی تھے۔ چنانچہ آپ سے بلا ارادہ کرامات کا ظہور ہوتا تھا۔ ایک دفعہ ایک ایسنا ہندو وکاندار مر گیا جس سے آپ لین دین رکھتے تھے۔ اس کی ارتھی کو لئے جا رہے تھے تو آپ نے پوچھا یہ کون شخص ہے؟ متوتیلین نے عرض کی حضور! یہ وہی ہندو ہے جس سے آپ کا حساب کتاب تھا۔ یہ سن کر آپ اس کے قریب آئے اور فرمایا "لالہ ہمارا حساب تو کرتے جاؤ حضرت کے اس ارشاد سے وہ بحکم خدا زندہ ہو گیا اور حساب سمجھا کر پھر مر گیا۔

آپ ۱۰۴۱ھ میں لاکھوں انسانوں کو جاوہِ حق دکھانے کے بعد وصال فرما گئے۔ مزار اقدس موضع جلال پور پیر والا عمان میں ہے جس کی پختہ عمارت دیدہ زیب ہے۔



## حضرت حبیب شاہ

ان کو حضرت شیخ غوث الاعظمؒ سے خاندانی نسبت ہے۔ چنانچہ آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت حبیب شاہ کے مورث اعلیٰ ہیں۔ ان کے والد سید فتح اللہ شاہ بغداد میں بڑے ممتاز بزرگوں میں سے تھے۔ بغداد ہی آپ کا مولد ہے۔ بچپن سے ہی ذہن رسا پایا تھا۔ آپ نے تمام علوم متداولہ کی تحصیل بارہ برس کی عمر میں کر لی۔ حصول تعلیم کے بعد زہور ریاضت میں مشغول ہو گئے اور کئی چلے گئے۔ آپ نے اپنے جدا مجد غوث معظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشاد عالیہ کے تحت بغداد کو خیر باد کہہ کر رشاد ہدایت عوام کے لئے پنجاب کے ایک شہر میں سکونت اختیار کی۔ یہاں بھی نفس کشی اور ریاضت شاقہ میں مشغول رہے آپ سے لاتعداد کرامتوں کا ظہور ہوا۔ کہتے ہیں شاہجہان شہاب الدین بادشاہ ہند نے ایک سوداگر کے کچھ روپے افسر خزانہ کے ایما پر ادا نہ کئے۔ وہ بیچارہ دگرانی و دلیگیری کے عالم ہیں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض معروض کی۔ حضرت نے شاہجہان کو عالم خواب میں چار پائی سمیت اپنے مال بوالبیا اور اس کی داؤر سی کرائی۔ شاہجہان آپ کا



عقیدت مند ہو گیا اور آپ کو موضع بغداد بطور نذرانہ پیش کیا۔ انتقال کے بعد  
یہیں مدفون ہوئے۔

## پیر جویں شاہ سلطان

آپ قوم مہار کے با عظمت و رفعت فرد ہیں۔ آپ کا سلسلہ بیعت حضرت شیر شاہ  
بید علی محمد شیر شاہی سے ہے۔ اور ان کے خلفاء اجلہ میں سے ہیں۔ پیر نے انہیں خوش  
ہو کر "سلطان" کے لقب سے نوازا۔ شاہ جہان کو آپ سے حد درجہ عقیدت تھی اور  
آپ کے نام پر اس نے کئی رقاہ عامہ کے کام کئے اور جاگیریں بھی بخشیں۔  
آپ کو انتقال کے بعد موضع اٹریں جو کھڑور سے لودھراں کی جانب چھ میل  
کے فاصلے پر ہے دفن کیا گیا۔ مزار مقدس پر عوام الناس کا جھگڑا رہتا ہے۔



## پیر برہان

دنیا میں کسی بادشاہ اور حاکم ایسے گذرے ہیں جنہوں نے بادشاہی میں فقیروں کی  
 کی ہے عراق عجم میں حضرت ابراہیم ادھم کا نام نامی قابل ذکر ہے اور ہندوستان  
 میں سلطان ناصر الدین محمود اور اورنگ زیب عالمگیر کے اسماء پیش کئے جانے کے قابل  
 ہیں۔ حضرت پیر برہان بھی باوجود ایک باعظمت حاکم کے فقیر دوست اور فقیر طلب  
 تھے۔ آپ کو مخلوق خدا سے از حد محبت تھی۔ اور خزانے کی رقم غریبوں اور رفاہ  
 عامہ کے کاموں میں خرچ کرتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ آپ نے مرکزی حکومت کے خزانے کیلئے ہمایوں  
 میں خذف ریزے بھرا کر بھیج دیئے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے معزز و مکرم بندے کی تعظیم  
 تکریم مقصود تھی چنانچہ وہ ٹھیکریں قدرتِ حق سے اشرنیاں بن گئیں اور دہلی دربار  
 میں آپ کی ایمانداری و حسن معاملہ کا چرچا ہوا۔ جن لوگوں نے تھیلیوں میں خذف  
 ریزے بھرے اور دہلی جا کر انہیں اشرنیوں میں تبدیل ہوتے ہوئے اپنی آنکھوں سے  
 دیکھا وہ فوراً آپ کے معتقد ہو گئے۔ بہت سے لوگوں نے آپ سے سلسلہ رُوحانی  
 قائم کیا اور فیضیاب ہوئے۔  
 آپ کا مزار کھڑور سے مشرق کی طرف نصف میل کے فاصلہ پر ہے۔



## سخی شاہ حبیب

لوگوں میں غلطی سے مشہور ہو گیا ہے کہ یہ دراصل شہاب الدین شاہ بھہاں کے بیٹے ہیں جن کا اصل نام شاہ شجاع تھا اور دنیا سے ترک تعلق کر کے شاہ حبیب کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپ بڑے فیض رساں بزرگ تھے۔ ان کے مریدوں میں سے شاہ چراغ پنڈی والے، شوق الہی بہاولپوری اور رسول شاہی فقیر مشہور ہیں۔ نزار ملتان میں ہی ہے جو دولت دروازہ کے باہر واقع ہے۔

## نواب سید موسیٰ پاک دین

آپ اپنے اصلی نام کی بجائے لقب شیخ الاسلام نواب موسیٰ پاک دین سے زیادہ جانے پہچانے جاتے ہیں۔ اصل نام ابوالغیاث سید فتح علی ہے۔ خاندانی سلسلہ حضرت موسیٰ پاک شہید سے ملتا ہے۔ رشتے میں آپ ان کے پوتے ہیں۔ والدہ محترمہ کا نام امیر الزراق فاطمہ ہے اور والد کا نام مخدوم سید حامد گنج بخش ہے۔ والدین



حسنی حسینی سید ہیں۔ ظاہر و باطن میں اپنے مورث اعلیٰ حضورِ غوثِ الاعظم کا نمونہ تھا۔ آپ کو علومِ شریعت پر پورا عبور تھا اور روحانیت کے بحر بیکراں تھے۔ ان کے حسن تدبیر، حسن تعقل، حسن انتظام اور حسن قابلیت کے پیش نظر شہاب الدین شاہجہان نے ملتان کی صوبیداری سپرد کی ہوئی تھی۔ بطور صوبیدار تاریخ تقرر ۱۰۶۸ھ ہے صاحبِ خلقِ عظیم صلی اللہ علیہ وسلم کے عکس جمیل ہونے کے باوجود آپ اپنی جلالت و دیدہ رہی بھی بے مثال تھے۔ بڑے دلیر، بہادر اور مہتور آپ کے سامنے آکر بات کرنے سے جھکتے تھے۔ مغل شہزادوں میں سے شہزادہ دارا شکوہ آپ کا بہت عقیدت مند تھا۔ جب تخت و تاج کے حصول کے لئے جنگ ہوئی تو دارا شکوہ اورنگ زیب کے ہاتھوں شکست کھا کر آپ کے پاس امان طلبی کے لئے آگیا۔ آپ نے دارا شکوہ کو یقین دلایا کہ اورنگ زیب اُسے کچھ نہ کہے گا۔ لیکن دارا شکوہ کی دھمکی یقینی اُسے لے ڈوبی۔ اورنگ زیب برق و باراں کی طرح ملتان کی طرف بڑھ رہا تھا اس کی آمد کی خبر سے بھاگ کھڑا ہوا اور حضرت سید موسیٰ پاک دین کی ضمانت کو یکسر بھول گیا۔ چنانچہ ملتان آکر اورنگ زیب نے آپ سے دارا کے متعلق استفسار کیا تو آپ نے بے دھڑک ارشاد فرمایا "دارا شکوہ ہماری بارگاہ میں باریاب ہوا تھا۔ لیکن نہایت بے وفائی سے یہاں سے چلا گیا۔ یہ جواب سن کر اورنگ زیب واپس چلا گیا۔"

دارا شکوہ شاہجہان کا لڑلا بیٹا تھا۔ یہ اپنے پرودا اکبر کی طرح ہر مذہب و کیش سے متاثر تھا۔ خاص کر ہندومت اور اکبر کا دین الہی اس کے دگ و پے میں سرایت کر چکے تھے۔ شاہجہان تخت و تاج سے دینے کی طرف مائل تھا لیکن گردوں آستانِ فقیر صاحبِ شمشیر اورنگ زیب عالمگیر کی فراست و طاقت کے سامنے دونوں باپ بیٹا نہ جم سکے۔ آخر اپنے ارتدادی و الہادی عقائد کے باعث اورنگ کے ہاتھوں قتل ہوا۔



آپ سے بے شمار کرامات کا ظہور ہوا۔ ایک دن آپ نے بڑے متاسفانہ لہجہ میں  
سرد آہ بھری۔ حضرت کے ایک مرید خاص نے اس کی وجہ پوچھی۔ فرمایا شہزادہ داراشکوہ نے  
اپنے جانیوں سے شکست کھالی ہے۔ کچھ دن بعد جب آگرہ کی لڑائی کی خبر پہنچی تو آپ  
کی روشن ضمیری کے سب لوگ قابل ہو گئے۔

آپ علم و فضل کا مرجع تھے۔ ان کے عرفان و کمال کے پیش نظر شاہ ہند شاہجہان نے  
کئی جاگیریں اور وظائف دے رکھے تھے۔ آپ کے پوتے حضرت سید عبدالرزاق کو بھی  
منصب نوابی عطا ہوا لیکن انہوں نے قبول نہ فرمایا۔ آپ کا وصال ۲۳ جمادی الثانی  
۱۰۴۳ھ کو ہوا۔ اور اپنے جد امجد کے روضہ میں دفن ہوئے۔

آپ کے تین صاحبزادے تھے جو مخدوم شیخ عبدالقادر ثالث المعروف سید نجیب الدین  
سید حامد اور سید حسین کے ناموں سے مشہور ہیں۔ یہ تینوں بزرگ حسن سیرت و صورت  
اور علوم ظاہری و باطنی سے مرصع تھے۔ ان کی شان جلال و جمال کے پیش نظر شاہان وقت  
بیش قیمت تحائف بھیجا کرتے تھے۔

## میاں عبدالحکیم

آپ کے والد جناب غلام علی کپڑے دھریا کرتے تھے اور اسی پارچہ شرنی کے کام  
سے اہل و عیال کو نان و نفقہ مہیا کیا کرتے تھے۔ عام لوگوں کے کپڑوں کے علاوہ اس  
اس زمانے تک ایک دلی حاجی رحمت علی کے پارچات بھی حضرت میاں عبدالحکیم کے



کے والد کے ہاتھوں ہی دھلتے۔ چنانچہ کپڑوں کی دلپسی کے وقت یہ بزرگ میاں غلام علی کی بہت تعظیم کیا کرتے۔ لوگوں نے اس تعظیم و تکریم کا سبب پوچھا تو فرمایا "اس شخص کے ماں ایک بچہ پیدا ہوگا جو اپنے وقت کا قطب ہوگا۔ اس لئے یہ سب تعظیم و توقیر اسی بچہ کے باعث ہے۔"

حضرت میاں عبدالحکیم پیدا ہوئے تو چند حجاج آپ کی جائے پیدائش پر آئے اور چند چیزیں جو ایک لٹے جائے نماز اور ایک تسبیح مشتمل تھیں بطور ہدیہ پیش کیں اور کہا بشارت ہو یہ چیزیں ہم تم کو مکرہ سے تحفہ لائے ہیں چنانچہ آپ بڑے ہوئے تو طبیعت بجاوت کی طرف مائل ہو گئی اور انہماک و استغراق کی حالت ظاہری ہو گئی۔ آپ کے والد میاں غلام علی مرحوم اپنی شیخوخت اور بڑھاپے کے پیش نظر لوگوں کے کپڑوں کی دھلائی میں تاخیر کرنے لگے لوگوں نے بہت تنگ کرنا شروع کر دیا تو اپنے بڑھاپا کا اظہار کر کے معذرت کر دیتے اور اکثر جگا کرتے کہ ایک لڑکا پیدا ہوا وہ بھی ہمدرد معادن ثابت نہ ہوا۔ ایک دن آپ نے یہ الفاظ اپنے کانوں سے سن لئے اور نہایت ادب و احترام سے والد محترم سے پوچھا کہ کیا کام ہے اور کتنا کام ہے ضعیف ناتواں باپ نے تقریباً پانچ سو کپڑوں کو علیحدہ علیحدہ رنگنے کا کام بتایا۔ آپ نے تمام کپڑے پانی میں ڈال دیئے اور جس جس رنگ کا جو جو کپڑا مطلوب تھا۔ رنگا رنگ کیا پانی سے باہر آجاتا۔ باپ نے بچے کا یہ عالم دیکھا تو فوراً تعظیم بجالایا۔

آپ نے ۱۱۲۵ھ میں مخلوق خدا کی خدمت و ہدایت کا کام سرانجام دیکر وفات پائی موضع عبدالحکیم والا آپ کے نام نامی سے موسوم ہے اور یہی مزار ہے جو مرجع عام و خالص ہے



## حافظ محمد جمال ملتانی

آپ حضرت خواجہ نور محمد بہاروی (چشتیاں شریف) کے خلفاء میں سے ہیں آپ نے فیضیاب ہونے سے پہلے حضرت خواجہ خواجگان ابوالفتح رکن الدین عالم ملتانی کی بارگاہ فیض رساں میں حاضر ہوئے اور انہی کی ترغیب و رہنمائی سے آپ حضرت خواجہ نور محمد بہاروی کی زیارت و ارادت کے لئے بہار شریف پہنچے۔ یہاں پہنچ کر آپ سے بیعت کی اور آپ نے حافظ صاحب کو وضو کرانے کی خدمت سونپی اور ان کے انتقال تک اسی فریضہ کو سرانجام دیتے رہے۔

تحفۃ الابرار میں مرقوم ہے کہ ملتان میں حضرت بہار الحق زکریا ملتانی کے تصرف باطنی کے جاہ و جلال کے پیش نظر کوئی شخص کسی کو اپنے حلقہ ارادت میں داخل نہیں کر سکتا تھا۔ حضرت مولانا شاہ فخر دہلوی نے حضرت خواجہ نور محمد سے فرمایا کہ اب ملتان ہمارے حوالہ ہو گیا ہے اگرچہ اس سے قبل ملتان پر حضرت خواجہ بہار الحق والدین زکریا ملتانی کا تصرف کابل تھا۔ اب ضروری ہے کہ کوئی اپنا ارادت کیش ملتان جا کر حضرت شیخ الاسلام زکریا ملتانی کے مریدین پر اپنا تصرف کرنے۔ چنانچہ حضرت خواجہ بہاروی نے حافظ محمد جمال کو ملتان روانہ کیا۔ آپ خالقہ بہار الحق میں پہنچے اور حضرت خدا بخش ملتانی کو اپنی ارادت میں لے لیا۔ حضرت خواجہ خدا بخش صاحب ملتانی اپنے زہد و عبادت اور خدمت خلق کے باعث حافظ صاحب کے خلفاء میں شامل ہوئے۔



حافظ محمد جمال صاحب اعوان قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے والد جناب محمد یوسف صاحب نقل مکانی کے بلقان آگے اور قلعہ کی شرفی جانب اقامت گزریں ہوئے حافظ صاحب کے والد محترم ایک ذہنی علم و عرفان شخص تھے۔ ان کے تبحر علمی کے ہزار ہا لوگ قائل تھے اور یہ بھی دولت علم و عرفان ٹٹانے میں نہایت کریم و اکرم تھے۔ بلقان کے حکام ابوالقاسم اور ابوالہاشم ان کے علم و فضل سے آشنا ہوئے تو آپ کو اپنا معتمد اور وزیر بنا لیا۔

حافظ صاحب بھی علم و فضل میں اپنے والد محترم کی طرح ایک بحر بے کراں تھے۔

دقیق سے دقیق مسائل کا حل فرمادیتے اور ایسے ایسے نکات لطیفہ بیان فرماتے جنہیں سن کر حاضرین انگشت بندناں رہ جاتے اور آپ کی علمی عظمت کے قائل ہو جاتے۔ مسئلہ وحدت والوجود حافظ صاحب کا دلچسپ موضوع تھا اور آپ کو شیخ محی الدین ابن عربی اور مولانا حاجی کی تصانیف پر کامل عبور تھا۔ آپ جس وقت اس مسئلہ کے اسرار و رموز بیان فرماتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ علم و فضل کا ایک سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ آپ نے سلسلہ چشتیہ کو رواج کیا اور ایک مدرسہ کی بھی بنا رکھی جو علم و فضل کے مراکز میں سے ایک اعلیٰ مرکز تھا۔

آپ نے اپنی زندگی میں شریعت حقہ کی اشاعت و ترویج سب سے مقدم سمجھی اور اس کی بجا آوری میں خاص اہتمام سے کام لیتے تھے۔ تیز فرما کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے عرفان و وجدان کا سب سے بہترین طریقہ مشائخ و اولیاء کرام کا ہے۔ اولیاء کرام کا طریقہ و سلسلہ حضور علیہ السلام سے معتبر ذریعہ سے پہنچتا ہے اور یہ طریقہ ظاہر کو شریعت سے آراستہ رکھتا ہے اور باطن کو اوصاف ذمید سے پاک و منزا کرتا ہے۔ آپ کے پاس ایک مہر تھی جس پر "اللہ جمیل و یحییٰ الجمال" کے الفاظ کندہ تھے۔

آپ کے بلقان میں قیام کے زمانے میں پنجاب سکھوں کے زیر اثر تھا۔ بدین بائٹ پنجاب کا مسلمان سکھوں کے مظالم کا شکار ہو رہا تھا۔ سکھوں نے بلقان پر بھی قابض ہونے



کے لئے حملہ کیا لیکن حافظ صاحب کی زندگی میں ان کا یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوا۔ آپ نے پنجاب کے ظالم سکھوں کا مقابلہ نہایت دلیری و جرات اور عالی ہمتی سے کیا اور ان کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو بڑے ہتوڑ اور بہاؤ سے روکا۔ جب حالات زیادہ محدودش ہوئے تو بذات خود اسلحہ سے مسلح ہو کر میدان جنگ میں آئے۔ حملہ کی اطلاع ملی تو آپ اپنے ساز و سامان سے آراستہ قلعہ میں موجود تھے۔ ایک دوسرے موقع پر آپ نے غنیم پر تیروں کی بارش کی۔

ایک دفعہ آپ کی غیر موجودگی میں سکھ حملہ آور ہوئے، اطلاع یابی پر آپ فوراً دریا پار کر کے معرکہ میں شریک ہو گئے۔ سکھوں نے بڑے ساز و سامان کے ساتھ حملہ کیا۔ لوگوں میں سخت افراتفری اور بے اطمینانی پھیل گئی۔ بعض اصحاب نے سراسیمگی کے عالم میں ہجرت کر جانے کا ارادہ کیا۔ آپ کو معلوم ہوا تو فرمایا "کفار سے جنگ کی دعوت عام ہو رہی ہے اور اب ان سے جنگ فرض عین ہے۔ لہذا دریں حال میں باہر ہرگز نہ جاؤں گا۔ کیونکہ میرے لئے جنگ دو مراتب کی داعی ہے۔ ایک غازی ہونا اور دوسرا شہادت پانا۔ ان الفاظ سے آپ نے کفار سے مقابلہ میں پہل کی۔ آپ تیر اندازی میں بے مثال تھے اور اپنی مہارت تمامہ کے سبب کبھی تیر قضا نہ جانے دیتے تھے۔ اپنے بعض متوسلین کو تیر اندازی کی تعلیم بھی دیا کرتے تھے۔

آپ نے ۱۲۲۶ھ کو صفراوی بخارا میں مبتلا ہو کر وفات پائی اور اپنے حجرہ میں ہی مدفون ہوئے۔ روضہ انور شہر سے باہر عام خاص باغ کے متصل واقع ہے۔ عمارت پنختہ اور دیدہ زیب ہے۔

آپ نے روحانی فیوض و برکات سے لاکھوں درانِ خدا کو نوازا اور بہت سے خاص لوگوں کو فرقہٴ خلافت سے بھی سرفراز کیا۔ آپ کے خلفائے میں سے حضرت خواجہ خلد بخش ملتان، میاں محمد حسین صاحب، غسٹی غلام حسن خاں شہید قاضی عیسیٰ خان پوری، مولوی



محمد موسیٰ اور سید زاہد شاہ خاص طور پر مشہور ہیں۔

## منشی غلام حسن شہید

سزین ملتان ہی آپ کا مولد ہے۔ یہیں سن رشد کو پہنچے اور علوم ظاہری و باطنی کی تحصیل فرمائی حضرت خواجہ محمد جمال ملتان کے دستِ حق پرست پر بیعت ہے مرشد سے عقیدت و ارادت اس قدر بڑھ گئی کہ روز و شب انہیں کی خدمت و زیارت میں گزرنے لگے۔ حضرت خواجہ محمد جمال بھی آپ پر از حد مہربان تھے۔ آپ نے اپنی نظر عنایت اور فیضانِ خاص سے انہیں راہِ سلوک کے تمام مراتب طے کروادیئے اور اپنا خلیفہ اعظم بنایا۔ آپ اعلیٰ درجہ کے خوشنویس تھے۔ لوگ نزدیک و دور سے تیرا کتاہیں لکھوانے کے لئے حاضر ہوتے تھے۔ اس لئے آپ منشی صاحب کے لقب سے پکارے جانے لگے۔ اعلیٰ درجہ کے شاعر و سخنگر تھے اور صاحبِ دیوان بھی۔ آپ کا دیوان قبولیت عامہ کا حامل ہوا۔

کہتے ہیں کہ حضرت غلام حسن شہید نہایت حسین و جمیل تھے اس ظاہری حسن و جمال کے ساتھ حسن سیرت میں بھی بیگانہ تھے۔ آپ کے ظاہری حسن و جمال کو دیکھ کر لوگوں کی زبان پر "سبحان اللہ آجاتا تھا۔ صاحبِ نظر لوگ ان میں احسن تقویم کا عکس دیکھ کر حسنِ یوسف کو یاد کیا کرتے تھے۔ ایک دن آپ کا ایک خادم آپ کو وضو کرا رہا تھا تو آپ سے پوچھنے لگا "سرکار! لوگ کہتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام حسن و جمال



میں ہمسرنہ رکھتے تھے کیا وہ آپ سے بھی زیادہ احسن و اجمل تھے۔ خادم کے ان الفاظ نے آپ پر جذب و کیف کی حالت طاری کر دی۔ افاقہ کے بعد فرمایا "میاں اگر تجھے حسن و جمال کا شاہدہ مقصود ہے تو جمال اللہ کے حسن کو دیکھو پھر مندرجہ ذیل اشعار پڑھے۔

چشمِ حُنا میں باز کشا      نقشِ جمالِ اللہ بسیں

تا چمکی حینِ درصوتِ انساں      ذاتِ مقدس را نہنگری

**شہادت** | ایک روایت کے مطابق ملتان کے ظاہری حکام کا تغیر و تبدل اس وقت عمل میں نہیں آیا کرتا تھا جب تک باطنی حاکم جو حضرت جمال اللہ

کے مریدانِ خاص میں سے ہوتا تھا وصال نہ کر جاتا۔ انگریزی انواج نے جب شہر پر حملہ کیا تو فتحیابی کی کوئی صورت نظر نہ آئی کسی طریقہ سے پتہ چلایا گیا کہ شہر فتح نہ ہونے کی وجہ کیا ہے؟ کسی نے بتایا کہ جب تک حضرت غلام حسن زندہ ہیں تب تک ظاہری حکومت کی تبدیلی کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ایک انگریز نے ملشی صاحب کو اپنی بندق

کا نشانہ بنا کر شہید کر دیا۔ انا لله وانا اليه راجعون

بنا کر دند خوش رسمے بخون و خاک غلطیدن

خدا رحمت کندایں عاشقانِ پاک طینت را

رفیقِ اعلیٰ سے ملنے سے پہلے زبان پر یہ شعر تھا

سردِ قدم یارِ فدا شد چہ بجا شد

ان یارِ گراں بود ادا شد چہ بجا شد

آپ شہر ملتان میں آغا پور کے قریب و جوار میں ایک پختہ تربت میں آرام فرمایا ہیں



# حضرت سید عظیم الدین شاہ

آپ حجازی سید ہیں اور ان معدودے چند طالعمند اور خوش بخت انسانوں میں سے ہیں جنہیں سید عالم و عالمیان سرور انس و جان ملجا و ملاذ کونین سرور و اربین صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اظہر و مقدس کی خاکِ رومی اور چراغِ بندی کی خدمتِ مقدسہ ہوئی۔

آپ علم و فضل کے کوہِ گراں اور زہد و اتقا کے پیکرِ جمیل تھے۔ تین و تورات میں بے نظیر تھے۔

## ملتان میں تشریف آوری

مدینہ منورہ میں آپ کے تبحرِ علمی کا شہرہ تھا۔ ۱۲۰۷ھ میں ملتان کے حاکم نواب مظفر خاں جو خود ایک پاکیزہ و سعید انسان تھے زیارتِ حرمین کے لئے گئے۔ مناسک حج ادا کرنے کے بعد مدینہ طیبہ میں حاضری دی۔ انہوں نے آپ کا شہرہ سنا تو آپ سے ملتان تشریف لانے کی التجا کی۔ حضور سے بجز و جدائی ایک پل بھی گوارا نہ تھی۔ ایک تردد سا پیدا ہوا لیکن بارگاہِ رسالت سے ہندوستان آنے کا ارشاد ہوا۔ آپ فوراً ملتان تشریف لے آئے یہاں اگر آپ پوری طرح شریعتِ حقہ کے احکام کی اشاعت و تبلیغ کا فریضہ ادا کرنے لگے لیکن مدینہ طیبہ کی دلکش فصائیں، عطر بیز ہوائیں، نورانی جالیوں اور مقدس روایں طبیعت میں اضطرابی کیفیتیں پیدا کر دیتی تھیں۔ عاقبت آپ پھر دیارِ حبیب کی طرف کشاں کشاں چلے گئے اور تاجدار کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم سے عزم کی حضورِ خداک اُمی و ابی! ملتان کا پانی طبیعت کو راس نہیں آتا کیا کروں؟ ارشاد ہوا جاؤ! ہمارے



مشرّب میں کوثر و سلسبیل کی حلاوت پیدا کر دی گئی ہے۔ وہاں ہی رہ کر تبلیغ و اشاعت  
اسلام کرو۔ اس ارشاد عالیہ پر آپ پھر ملتان آئے۔ کنویں کا پانی چکھا تو اس میں کوثر کا  
مزه پایا۔ اس سے اطمینان ہوا تو نہایت تندہی سے دین کی اشاعت و تبلیغ میں مصروف  
مشغول ہو گئے۔ پریزگاری کا یہ عالم تھا کہ کبھی کسی سے ایک پیسہ تک ذاتی خرچ کیلئے نہ لیا  
مزار مقدس بیرون دولت گیٹ ملتان میں واقع ہے۔ آپ کے تعویذ پر مندرجہ ذیل  
قطعہ کندہ ہے۔

عاجی حرمین نیز و اعظ خلق	بود ز اولاد غوث محی الدین
سینزدہم ماہ جمادی الثانی	روز شنبہ شدہ بجلد برین
چونکہ در راہ دین قوی می بود	سال و مجلس قوی عظیم الدین
	۱۳۳۱ھ
	رحمۃ اللہ علیہ

## حضرت خواجہ محمد موسیٰ پاک مدنی

آپ حضرت حافظ محمد حیات جو عمر پیر کے مشہور قبرستان میں آسودہ ہیں کے  
فرزند ارجمند ہیں۔ آپ ولی کامل ہادی اکل اور نفع الناس تھے۔ نسبت بیعت حضرت  
حافظ محمد جمال سے تھی۔ آپ کے تقدس و توریع کے پیش نظر حضرت حافظ محمد جمال آپ  
پر فخر و ناز کیا کرتے تھے۔ جب آپ نے حضرت خواجہ موسیٰ پاک کو اپنی بیعت میں لیا تو تمام  
حاضرین سے یوں مخاطب ہوئے۔ "میں مبارکیاؤ کا مستحق ہوں کہ میرا متوسل ایک برگزیدہ



و کامل انسان ہوا ہے۔ بقول دیگر فرمایا "میرے چنگل میں ایک شاہین آگیا ہے۔  
اپنے ہادی و مرشد کی طرح خواجہ موسیٰ پاک صدیقیؒ بھی علم و فضل کے بحر زخار تھے  
ہمیشہ علم و فضل کے مشاغل میں محو رہتے۔ اور آپ کے علمی فیضان سے مستفیض ہونے کے  
لئے ہمیشہ سو کے لگ بھگ متعلمین موجود رہتے۔ جب تفسیر پڑھانے تو طبیعت میں ایک  
کیف و وجدان پیدا ہو جاتا۔ تالیف و تصنیف کا کام کثرت سے کرتے تھے۔ چنانچہ علماء  
ملتان میں سے آپ سب سے زیادہ کتب کے مصنف ہیں۔ آپ کی تصنیف کردہ کتب  
علوم و فنون کا ایک بیش بہا خزانہ تھیں جنہیں سکھوں کے عہد میں جلا کر خاکستر  
کر دیا گیا۔

ملتان کے قاضی ملا نادر مرحوم کو آپ سے بے انتہا عقیدت تھی۔ وہ آپ کا بیحد  
احترام کرتے تھے۔ آپ کی شان میں انہوں نے بہت سے قصائد لکھے۔ اپنی عقیدت  
کے اظہار کے لئے اپنی ایک منظوم کتب ہی یوں رقمطراز ہیں۔

بندہ نادر تیانہ اگنوشد بندہ اش را سگ سگش را بندہ شد  
چاکران شیخ را جا کر منم ! بندگان را غلام کہستم  
حضرت خواجہ محمد موسیٰ پاک صدیقیؒ کے والد محترم حافظ محمد حیاتؒ کی پارگاہ میں  
یوں گہمائے عقیدت پیش کرتے ہیں۔

پس محمد داد عالم را حیات حافظ وقاری بدایا علیحباب  
در درویش بھر علم بیکراں در و گوہر ازاں گشتہ عیاں  
شد ہجوم اہل دل برگرد او فاضلان و کمالان رشاگرد او

آپ ۱۲۶۱ھ میں واصلِ حق ہوئے۔ مزارِ اقدس حسین آگاہی ملتان کے اندر ہے  
آپ کے فرزند ریگانہ حضرت خواجہ محمد خدابخش تھے۔ جو اپنے کرسیانہ خصاکی و زاہدانہ و  
عابدانہ صفات کے باعث "محبوب اللہ" مشہور ہوئے۔ آپ کا اصل نام مولانا امام بخشؒ



تھا مگر مُرشد نے نام بدل کر اللہ بخش رکھ دیا اور اور و طائف آپ کے حوزہ جہاں تھے  
۱۳۱۱ھ میں وصال فرمایا اور اپنے والد بزرگوار کے متصل مدفون ہوئے۔

## حضرت مولانا شاہ علی مران<sup>رحمہ</sup>

مولانا شاہ علی مران<sup>رحمہ</sup> مجدد امجد فقیر عبدالقادر عراقی عرب سے ہندوستان تشریف  
لائے۔ یہ صاحبِ وجد و حال بزرگ تھے اور درویشانِ ملتان میں ان کا خاص شہرہ تھا  
ان کی اولاد بھی صاحبِ ولایت ہوئی۔ چنانچہ آپ کے صاحبزادہ حافظ عنایت اللہ  
ایک درویشِ کامل ہوئے ہیں۔ حضرت مولانا شاہ علی مران<sup>رحمہ</sup> ان کے ہی پوتے ہیں۔  
مولانا علی مران<sup>رحمہ</sup> مجسمہ علم و عمل تھے ان کے علم و عمل کے پیش نظر انہیں سادات  
گردینہ کی امامت و اُستادی کے لئے استدعا کی گئی جو انہوں نے قبول فرمائی۔ آپ  
کو خاندانِ قریش نے بھی اپنا اُستاد و امام تسلیم کر لیا۔ آپ ہر دو خاندانوں کی نظروں میں  
معزز و موقر تھے اور ان ہی کی وجہ سے ان کی اولاد اب تک گردینریزوں اور قریشیوں  
میں عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ خاندانِ سادات گیلانی سے بھی تعلقاتِ نہایت  
خوشگوار تھے۔ گویا ہر خاندان و فریقہ کے لوگ آپ کا دلی احترام کرتے تھے۔ آپ کا  
رعب و ودیدہ اور جاہ و جلال لوگوں پر اس قدر طاری تھا کہ آپ کی حاضری میں کسی  
کو تعزیہ نکالتے کی جسارت نہ ہوتی۔ آپ اپنے خلوت کدے میں چلے جاتے تو جلسوں  
تعزیہ نکالا جاتا۔



آپ ایک بے نظیر عالم دین تھے آپ کے پاس اطراف و اکناف عالم سے طالبانِ علوم دین کھینچے چلے آتے تھے۔ آپ تفسیر، فقہ اور حدیث کی تدریس میں بے عدیل تھے خدمتِ خلق آپ کا مشغہ تھا۔ اکثر تیمانی، مساکین، غریبا اور ضعیف محروموں کے کام خود کر دیا کرتے تھے اور ان کی مالی امداد فرما دیا کرتے تھے۔ آپ زاہد شب زندہ دار تھے۔ ادھر آسمان پر ستارے جگمگ جگمگ کرتے ادھر یہ زمین کا ہاتھاب رات کی تاریکیوں میں لعان ریزیاں کرتا۔

غریبوں، مسکینوں اور فیروں سے ہمیشہ خدہ پشانی سے ملتے۔ اور ان کے ذہنی و روحانی حوائج پورا کرتے ہیں ذرا تھل نہ فرماتے۔ مگر ذالیوں اور رئیس زادوں سے ملنے سے ہمیشہ گریز کرتے۔ بسا اوقات نواب مظفر خان والی ملتان اور نواب بہاولپور ملنے کے لئے آئے لیکن آپ نے یہ کہہ کر انہیں شرف باریابی نہ بخشا کہ آپ ابھی خدمتِ خلق سے فارغ نہیں ہیں۔ مجاہد کو بڑے شوق و اشتیاق سے ملتے۔ اکثر مجذوب فقیر آپ کے ہاں شب بسر ہی کرتے۔ آپ اپنے ہاتھوں سے ان کی ظاہری گندگی کو دور فرماتے۔

سن ۱۵۱۱ء میں ہر ممکن کوشش فرماتے۔

آپ کا سلسلہ بیعت و طریقت حضرت سیدنا اولیں قرنی سے ملتا ہے۔ آپ کے پیر و مرشد خواجہ محمد مراد اولیسی خاندان میں مرید تھے۔ اور خواجہ محکم الدین کے خلفاء اجلہ میں سے تھے۔ آپ کے دادا پیر حضرت خواجہ عبدالحق کو حضرت سیدنا اولیں قرنی سے براہ راست فیوض روحانی حاصل ہوئے۔

حضرت علی مروان نے ایک طویل عمر پائی۔ ۸۶ سال کی عمر میں ۱۲۸۲ء میں وصا

فرمایا۔ آپ کا مقبرہ ملتان میں بیرون حرم گیت واقع ہے۔ مقبرہ کا شرقی دروازہ

أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَأَخْوَفُ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ کے الفاظ مقدس

سے مزین۔ ان ہی الفاظ سے آپ کی تاریخ وفات ۱۲۸۲ء برآمد ہوتی ہے



بیرونی دیوار پر مندرجہ ذیل اشعار مرقوم ہیں جو آپ کے ہمہ گیر اوصاف کے مظہر ہیں

یوہ مردِ خدا علی مران      کہ براہِ خدا تدم فرسود

گرچہ عمرش گذشت از شہتاد      لیک در ذکر و شکر درسی فرود

از مریدانِ شیخ محکم دین      و از محمد مراد فیض ربود

با دی راہ حق چنان آمد      کہ بہر یک طریق سہل نمود

وعدہ عمر چوں شدش آخر      لا جرم فرقت از جہاں فرمود

سحر شبہ لیلیۃ الاسراء      کردہ روحش باو بر عرش صعود

گشت تار نیش از سر الہام

چراہل نظر اولیسی بود

اللَّهُمَّ ارْحَمْ عَلِيَّ عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ ط وَهَلِ وَسَلِّمْ عَلَيَّ سَيِّدِنَا

مُحَمَّدَ وَآلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ ط

کتبہ: طارقہ قلیلیۃ لاہور



أَوْلِيَاءِ تَحْتِ بَيْتِي وَرِجَالِي خَيْرٌ مِنْ أَوْلِيَاءِ عَدِيَّتِي

# أَوْلِيَاءِ تَحْتِ بَيْتِي

بشیر حسین ناظم ایملے

سنگ و میل پبلشرز

چوک اڈو بازار — لاہور